بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۰　　ماہ جون ۲۰۱۲ء مطابق رجب المرجب ۱۴۳۳ھ　　شمارہ نمبر ۶

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہِ اولیں	مدیر	۳
۲	محفلِ قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۱۵
۳	قضا اور اس کی شرعی بنیاد	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۱۹
۴	دین کے تمام خدمت گذاروں کی خدمت میں.....	حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندویؒ	۳۱
۵	عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان	مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی	۴۴

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ
بصیغہ .V.P ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے ــــ منیجر

ضروری اعلان

درج ذیل مقامات میں الفرقان کی توسیع اشاعت کی ذمہ داری جن حضرات نے قبول کی ہے ان کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں۔ ان مقامات اور قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱- بیڑ (مہاراشٹر)	قاسمی بکڈپو	(0)9960070028
۲- مالیگاؤں	مولانا حسنین محفوظ	(0)9226876589
۳- بیلگام	مولانا تنویر صاحب	(0)9880482120
۴- بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	(0)9898610513

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی

E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان　عمومی 180 روپئے

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان　خصوصی خریداران 400 روپے

☆ سالانہ چندہ برائے ہندوستان (وی پی سادہ)　210 روپئے

☆ سالانہ چندہ برائے پاکستان، پاکستان میں 1200/- ہندوستان میں 750/- روپئے

☆ بیرونی ممالک بذریعہ ہوائی جہاز　20/- پاؤنڈ 40/- ڈالر　خصوصی خریداران 30/- £

لائف ممبر شپ فیس: ہندوستان 5000/- روپے، بیرونی ممالک 500 پاؤنڈ　1000 ڈالر

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ: Mr. RAZIUR RAHMAN 90-B HANLEY ROAD, LONDON N4 3DW (U.K) ,Fax & Phone : 020 72721352

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: ادارہ اصلاح وتبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور۔ (فون: 7663896 - 7655012)

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ الفرقان 114/31 نظیر آباد، لکھنؤ - 226018

فون نمبر: 0522-4079758　e-mail : alfurqan_lko@yahoo.com

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر پبلیشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

مسلم پرسنل لا بورڈ کا پیغام ہندوستانی مسلمانوں کے نام

[یہ ناچیز مدیر الفرقان گذشتہ دو۔تین سال سے ترکی میں آنے والی تبدیلیوں اوران کے متوقع اثرات کا اپنی بساط کے مطابق مطالعہ کرتا رہا ہے اوراس مطالعہ کا حاصل حسب موقع اپنے محترم قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا ہے —— ۴/ اپریل ۲۰۱۲ء سے ۱۸/ اپریل تک تقریبا دو ہفتے ترکی میں گذارنے اورقریب سے وہاں کے حالات کے مشاہدے کا موقع ملا —— اور سچی بات یہ ہے کہ جو کچھ وہاں دیکھا اور سنا اس کے زیادہ تر حصے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، دل مسرور ہوا، اوروہ توقعات جو دور دور سے وہاں کے بارے میں پڑھنے اور سننے سے دل میں پیدا ہورہی تھیں، ان میں مزید اضافہ ہوا —— ویسے تو اس عاجز کی قسمت میں ابھی تک تو بہت آوارہ گردی لکھی ہوئی ہے، نہ جانے اب تک کہاں کہاں کی خاک چھان چکا ہوں، لیکن اپنے سفروں کا تذکرہ سنانے یا ان کی روئداد قلم بند کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں آیا، کیونکہ بقول ایک بزرگ ''کوئی مکھی یا مچھر ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر چلا جائے تو اس کا سفر نامہ کون لکھے؟ اور کیوں لکھے؟'' —— تاہم ترکی کے سفر میں جو کچھ دیکھنے اور جو کچھ سیکھنے کا موقع ملا، ایک ضرورت سمجھ کر اس کو قلم بند کرکے اپنے بزرگوں، اور ملت کے عام اہل علم و فکر کی خدمت میں پیش کرنے کا ایک طاقت ور داعیہ اپنے دل ودماغ میں محسوس کر رہا ہوں، اور کاش کہ میں اسی شمارے سے اس کی شروعات کرسکتا، مگر کیا کروں وہاں سے واپس آنے کے

بعد، یقین مانئے کہ ایک دن بھی سکون سے بیٹھنے کا موقع ابھی تک نہیں مل پایا۔ وہاں سے واپسی ۱۹/ اپریل کو ہوئی، اور ۲۰ تا ۲۲/ اپریل بمبئی میں منعقد ہونے والے مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس میں مشغولیت رہی۔ ۲۳/ کی شام اپنے مستقر پر پہنچنا ہوا، جو ۵۔۶ دن یہاں قیام رہا ان میں شب وروز معہد الامام ولی اللہ الدہلوی کے دروس میں، اور آنے والے مہمانوں کے ساتھ جن کی تعداد موسم گرما کی تعطیلات کی وجہ سے کافی زیادہ تھی مصروف رہنا پڑا، اور ۳/ اپریل سے پھر چھوٹے چھوٹے سفروں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور بظاہر آئندہ تقریباً پورے ایک ڈیڑھ ماہ مزید جاری رہے گا —— یہ ساری تفصیل صرف اس لئے عرض کرنی پڑ رہی ہے کہ ترکی کے سفر کا تذکرہ پڑھتے ہی ہمارے بہت سے قارئین اس کی خواہش اور فرمائش کرنے لگیں گے کہ جلد از جلد وہاں کے سفر کے مشاہدات میں ان کی خدمت میں پیش کروں، جیسا کہ ان حضرات کے مسلسل تقاضوں سے اندازہ ہو رہا ہے جن کو دوسرے ذرائع سے میرے اس سفر کی خبر مل چکی ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ انہیں ابھی اس کے لئے کچھ انتظار کے ساتھ ساتھ دعائیں بھی کرنی ہوں گی —— میں کوشش کروں گا کہ انتظار کی مدت بہت زیادہ طویل نہ ہو۔

سردست تو آپ ذیل میں بمبئی میں منعقد ہونے والے مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس کا پیغام ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس عنوان کے تحت پہلے تو وہ اعلامیہ پیش کیا جا رہا ہے جو اس اجلاس کی طرف سے جاری کیا گیا تھا، اور اس کے بعد اس عاجز کی وہ تقریر ملاحظہ فرمائیں گے جو اس اجلاس عام کے اختتامی لمحوں میں کی گئی تھی اور جو نظر ثانی اور کچھ حذف واضافہ کے بعد پیش کی جا رہی ہے ——

لیکن اس سے پہلے آپ یہ خوش خبری بھی سن لیں، جو امید ہے کہ آپ تک پہلے ہی پہنچ چکی ہوگی کہ ''بچوں کے حق برائے مفت اور لازمی تعلیم'' (R.T.E) کے نام سے جو قانون ہمارے ملک میں نافذ ہو چکا تھا، اور جس سے بلاشبہ دینی تعلیم کے اس پورے نظام کو شدید خطرات لاحق ہو گئے تھے جو ملک کے دستور کی مختلف دفعات کی رو سے پورے آئینی تحفظ کے ساتھ اب تک جاری وساری تھا، اور جس کے خلاف ایک طاقتور تحریک مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے ملک

میں چلائی جارہی تھی، اور جو بمبئی کے مذکورہ اجلاس کے مباحثوں اور خطابات پر بھی چھایا رہا۔
اچھی خبر یہ ہے کہ مرکزی حکومت اس قانون میں ایک ایسی ترمیم پارلمینٹ سے منظور کروانے پر بالآخر مجبور یا آمادہ ہوگئی جس کے ذریعہ، خبروں کے مطابق، دینی مدارس کو اس دائرہ سے باہر کردیا گیا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ خطرہ جو ہمارے دینی نظام تعلیم کو اس قانون کی وجہ سے لاحق ہوگیا تھا وہ فی الحال ایک بار پھر ٹل گیا ہے —— باخبر لوگوں کا اندازہ ہے کہ بورڈ کی تحریک اور مختلف جماعتوں کی کوششوں کے علاوہ حکومت کے اس ''سجدۂ سہو'' کا ایک اہم سبب یو۔پی کی ریاستی اسمبلی کے الیکشن کے وہ نتائج بھی ہیں جنھوں نے مرکز میں برسر اقتدار پارٹی کے لئے مسلمانوں کے احساسات سمجھنا اور نوشتۂ دیوار کو پڑھ لینا آسان کردیا —— اور یقیناً یہ ایک اور تجربہ ہے جو بتلاتا ہے کہ مروجہ جمہوری نظام میں عوام کے شعور کی افادیت اور اہمیت آج بھی ایک مؤثر طاقت ہے —————— مدیر]

اعلامیہ

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ ہم ایک ایسی امت ہیں جس کے پاس اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ موجود ہے، اور اللہ نے ہمیں ایسی شریعت سے نوازا ہے جو پوری طرح انسانی فطرت سے ہم آہنگ، انسانی ضرورتوں کو پوری کرنے والی اور عقل کے تقاضوں کے مطابق ہے، یہ خدا کی لازوال نعمت ہے جو اس امت کو دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہے، اس پس منظر میں ہمارا فریضہ ہے کہ:

● ہماری پوری زندگی شریعت اسلامیہ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو، عقیدہ وعبادت سے لے کر مالی معاملات اور لوگوں کے ساتھ اخلاق وسلوک غرض ہر شعبۂ زندگی میں ہم اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر قائم رہیں، خاص کر سماجی زندگی سے متعلق شریعت کی ہدایات —— جس کو ہم مسلم پرسنل لا کہتے ہیں —— پر رضا ورغبت کے ساتھ ہمارا عمل ہو، ہماری تقریباتِ نکاح سادگی کا مظہر ہوں، طلاق کے بے جا واقعات سے ہمارا سماج محفوظ رہے، اللہ کے حکم کے مطابق میراث کی تقسیم عمل میں آئے، والدین، زوجین اور اولاد کے حقوق کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق ادا کیا جائے، خاص کر خواتین کو اسلام نے جو عزت واحترام کا مقام دیا ہے اور ان کے ساتھ خصوصی حسن سلوک کی ہدایت کی ہے اس کو ملحوظ رکھیں، اور کتاب وسنت کی اساس پر

ایک ایسے صالح معاشرے کی تشکیل کی جائے جو عدل وانصاف سے معمور ہو اور جس میں ہر شخص کے لئے محبت کے جذبات ہوں، اگر ہم نے خود اپنے آپ پر شریعت اسلامی کو نافذ نہیں کیا اور عملی زندگی میں اس کی حفاظت نہیں کی تو کیوں کر اُمید کیا جا سکتی ہے کہ حکومتیں یا عدالتیں ان قوانین کی حفاظت کریں گی۔

● اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب کسی معاملے میں نزاع اور اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے تو اپنا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے پاس لے جایا جائے اور وہاں سے جو بھی فیصلہ ہو اس کو بسر وچشم قبول کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسی حکم میں دار القضاء اور اس کے قضاۃ ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کی منشا کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، اس لئے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم عائلی مسائل سے متعلق اپنے معاملات کو دار القضاء میں لے جائیں اور کتاب وسنت کی بنیاد پر قاضی شریعت جو بھی فیصلہ کرے اسے دل کی آمادگی کے ساتھ قبول کریں، چاہے بظاہر وہ ہمارے ذاتی مفادات اور جذبات کے خلاف ہی کیوں نہ نظر آئے، یہی ایک مرد مومن کے لئے امتحان کا موقع ہے اور یہی ایمان کامل کی علامت ہے کہ ہماری چاہت کے خلاف بھی اللہ ورسول کی نسبت سے کوئی حکم ہو تو ہم سر تسلیم خم کر دیں، شریعت بھی ہمیں اس کا حکم دیتی ہے اور ہمارے ملک کا قانون بھی ہمیں اس سے روکتا نہیں ہے۔

● شریعت اسلامی کے ساتھ ساتھ شعائر اسلامی کی حفاظت بھی ہمارا دینی وملی فریضہ ہے اور مساجد و دینی مدارس ہمارے ملی وجود کی روشن علامت ہیں، ہم دینی مدارس کے نظام میں کسی مداخلت کو قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی حیثیت ملت اسلامیہ کے لئے شہ رگ کی ہے اور دینی وملی خدمات کے تمام شعبوں میں مدارس ہی سے خون جگر فراہم ہوتا ہے، اس لئے ہمیں مدارس کے نظام کو تقویت پہنچانا چاہئے اور اس بات کی سعی کرنی چاہئے کہ مسلمان بچے کوئی بھی تعلیم حاصل کریں، لیکن بنیادی دینی تعلیم سے محروم نہ رہ جائیں، نیز مذہبی اوقاف ملت کے لئے نہ صرف ایک عظیم اساسہ ہیں بلکہ یہ ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے، اس لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے اوقاف کی حفاظت پر خصوصی توجہ دیں اور حسب ضرورت قانونی چارہ جوئی کا حق استعمال کریں، مسلمان خود بھی اوقافی جائدادوں کا احترام کریں اور اچھے مقاصد کے لئے اپنے آباء واجداد کی طرح نئے اوقاف قائم کرنے کا بھی اہتمام کریں۔

● اللہ نے ہمیں ایک ایسے ملک میں پیدا کیا ہے جس میں مختلف مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں اور برادران وطن میں بھی اکثریت انصاف پسند واقع ہوئی اور سچائی کی متلاشی ہے اور اگر سنجیدگی سے کوئی

بات پیش کی جائے تو وہ اس کو قبول کرنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں، اس لئے ایک داعی امت کی حیثیت سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسلام کی روشن تعلیمات ان تک پہنچائیں، عقیدہ توحید سے انھیں آشنا کرائیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انسانیت نوازی سے انھیں آگاہ کریں اور اسلام کے پیش کئے ہوئے نظام حیات کی اہمیت وافادیت اور عقل وفطرت سے ہم آہنگی کو ان پر واضح کریں، اگر ہم نے اپنے اس فریضہ منصبی کو ادا کیا تو اس ملک میں ہماری پہچان ایک ایسے گروہ کی حیثیت سے ہو سکے گی جس کے پاس صرف لینے والے ہاتھ نہیں ہیں بلکہ دینے والے ہاتھ بھی ہیں، جو محبت کے سوداگر اور انسانیت کے لئے سایہ رحمت ہیں، ہندوستان میں آج مسلمان جن دشواریوں سے دوچار ہے وہ اسی فریضہ سے غفلت کا نتیجہ ہے، اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور بندگان خدا کو ان کے خالق ومالک کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بھرپور سعی کریں۔

● ہماری سب سے بڑی طاقت ہمارا اتحاد ہے، مسلمانوں کے درمیان اصول دین میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور بہت کم ایسے مسائل ہیں جن میں امت کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، مگر بد قسمتی سے ہم اتفاق واتحاد کی سیکڑوں بنیادوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور انگلیوں پر گنے جانے والے چند اختلافی مسائل کو اپنی جدوجہد کا محور بنا لیتے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ مذہبی اختلافات نے ہماری صفوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہم اس ملک میں بلکہ پوری دنیا میں بے وزنی کا شکار ہیں، اس لئے ہمیں حالات کو دیکھتے ہوئے اپنی صفوں میں وحدت کو برقرار رکھنا چاہئے، اختلاف وانتشار سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، اور مشترک مسائل پر مشترکہ جدوجہد کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اسی میں ہماری دنیا کی کامیابی اور آخرت کی سرخروئی ہے۔

● آج پوری دنیا میں لوگ امن وامان کے پیاسے ہیں، دولت کی فراوانی اور وسائلِ زندگی کی بہتات کے باوجود انسانیت سکون سے نا آشنا ہے، دہشت گردی کے مصنوعی واقعات بنائے جاتے ہیں، اور کہیں حقیقی معنوں میں ظلم ودہشت گردی کا بازار گرم ہے، یہ پوری امت کا اور پوری انسانیت کا مسئلہ ہے، اس بے سکونی سے نجات اور امن وامان کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ انصاف کے دوہرے پیمانے اختیار نہ کئے جائیں، یہ دوہرا رویہ محرومی اور مظلومیت کا احساس پیدا کرتا ہے اور اسی احساس کی چنگاری سے نفرت کی آگ سلگتی ہے اور پورے سماج کا امن خاکستر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ضروری ہے کہ اگر

تشدد کا کوئی واقعہ پیش آئے تو اس کے حقیقی اسباب پر غور کیا جائے اور ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے بغیر کوئی معاشرہ پوری طرح امن وآشتی کا گہوارہ نہیں بن سکتا، یہ بات عالمی سطح پر بھی سوچنے کی ہے اور ہمارے ملک کے لئے بھی قابل توجہ ہے۔

خطاب عام مدیر الفرقان

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

وہ حرف راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں

بمبئی کے تاریخی میدان "آزاد میدان" میں مکمّل اور حقیقی آزادی کو حاصل کرنے کا عزم لے کر شہر بمبئی کے کونے کونے ہی سے نہیں، پورے صوبہ مہاراشٹر بلکہ دیگر اور صوبوں سے بھی آکر جمع ہونے والے قابل قدر مسلمانو! اجلاس اپنے آخری موڑ پر ہے، ایک بات بہت صاف صاف سن کر اور سمجھ کر جایئے کہ ہمارے لئے ہمارے بزرگوں نے بہت سوچ سمجھ کر دو فیصلے کئے تھے، ایک تو یہ کہ ہم کو ہندوستان میں ہی رہنا ہے، اور دوسرا فیصلہ یہ کہ ہم کو رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے ایک ایک حکم پر عمل کر کے رہنا ہے۔

اس بات کا موقع تھا کہ ہمارے اکابرین اس ملک کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کرتے، یہاں کے حالات بہت سخت تھے اور دوسرے ملکوں کی طرف سے ان کے لئے بلاوے بہت تھے، مجھے آج اس موقع پر سہارنپور کے مشہورِ زمانہ "کچے گھر" کے چبوترے کی یاد آرہی ہے جہاں جمع ہوئے تھے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور ریحانۃ العصر امام المحدثین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، اور اس مشورہ کا عنوان یہ تھا کہ کیا ہم کو اب ہندوستان میں ہی رہنا ہے یا پاکستان منتقل ہونا ہے —— کاش کہ میرے پاس وقت ہوتا اور میں کچھ تفصیل سے بتا سکتا کہ یہ کون لوگ تھے جو اس مشورہ میں جمع تھے! اور اس مشورہ کا کیا اثر ہندوستان کی

تاریخ پر اور اس کے اسلامی وجود پر پڑنے والا تھا، اور ہندوستان کی مسلم آبادی کی کتنی بڑی تعداد اس سے متأثر ہونے والی تھی، بس اس وقت تو اتنا سن لیجئے کہ اس عہد ساز مشورہ میں شریک بظاہر عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹے مگر سب کے چہیتے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اپنا یہ فیصلہ اپنے بڑوں کو سنایا کہ ''آپ حضرات اپنے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں، میں تو اس ملک کو کفر اور ظلم کے ہاتھ میں چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں ہوں'' وہ مبارک گھڑی تھی جب فیصلہ کیا ان عظیم انسانوں نے کہ ہم کو اس ملک میں رہنا ہے، اس ملک کی خدمت کر کے رہنا ہے، کیونکہ اسلام ہماری بھی ضرورت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اسلام ہمارے ملک کی بھی ضرورت ہے۔

صحیح ہے کہ ہمارے سامنے بہت رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں، صحیح ہے کہ بہت سازشیں ہو رہی ہیں، لیکن مجھے بتائیے کہ دینِ حق اور اس پر چلنے کا عزم رکھنے والوں کے راستے میں کب اور کہاں ایسا ہوا ہے کہ پورا ماحول ان کے لئے سازگار ہو گیا ہو، اور ان کے راستے میں ہزاروں آہنی رکاوٹیں نہ کھڑی کی گئی ہوں؟؟؟ اور خدا کے پُراسرار غیبی نظام کے اس راز کو بھی سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ اگر یہ سازشیں نہ ہوتیں تو یہ حسین منظر آج ہم کو دیکھنے کو نہ ملتا، کہ مختلف مکاتب فکر کے اکابرین باہم اتحاد و تعاون کے جذبے سے سرشار نظر آرہے ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ حکومت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے لوگ اگر ہر کچھ دن کے بعد کوئی حملہ ہمارے ملی وجود پر کرتے رہیں تو شاید فی الحال یہی ہمارے حق میں بہتر ہو، اللہ تعالیٰ نے بھی تو فرمایا: ''عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ'' (ہوسکتا ہے کہ تمہیں کوئی چیز پسند نہ ہو، مگر وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو تم پسند کرتے ہو وہ تمہارے لئے باعثِ شر اور مضر ثابت ہو)

ایک بہت عظیم خاندان کے ایک عظیم فرد تھے حضرت یوسف علیہ السلام، ان کی سوانح حیات قرآن نے ایک ہی سورت میں یہ کہہ کر بیان کی ہے کہ یہ واقعہ جو ہم تم کو سنانے جا رہے ہیں انسانی تاریخ کا بہترین واقعہ ہے، بہترین خاندان کے بہترین فرد، مکمل بے گناہی کے باوجود، مکمل پاکدامنی کے باوجود اور صبر و تقویٰ کے اعتبار سے مثالی شخصیت کے حامل ہونے کے باوجود ان کو اس وقت کی حکومت نے جیل میں ٹھونس دیا تھا اور پورے ملک میں بدنام کر رکھا تھا، ۹ سال وہ جیل میں رہے، لیکن تقدیر نے ایک عجیب وغریب فیصلہ کیا، ابھی وہ جیل ہی میں تھے، کہ اس ملک پر ایک بھیانک بحران کا خطرہ منڈلانے لگا۔ اور اس

کی دردمندانہ اورخیرخواہانہ آگاہی اس ملک کے حکمرانوں کواسی مظلوم بندۂ خدااورجیل کے قیدی حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعہ سے ملی، جب انھوں نے خواب کی تعبیر کے عنوان سے اس ملک کے حکمراں کوجودنیا کی سب سے بڑی سپر طاقت کا حکمراں تھااس کو یہ بتایا کہ آپ کا یہ ملک اگلے سالوں میں ایک زبردست معاشی بحران کا شکار ہوگا، سات سال تک غلہ پیدا ہوگا، اس کے بعد سات سال تک ملک میں خشک سالی ہوگی، گویا سات سال کی پیداوار کو ۱۴ سال تک خرچ کرنا پڑے گا، ملک کا حکمراں سمجھتا تھا کہ ہمارے ملک میں ایک بھی ایماندار آفیسر نہیں ہے، جوسات سال کی پیداوار کو پورے ۱۴ سال تک ایمانداری اورسلیقہ کے ساتھ استعمال کا بندوبست کرسکے، اور ملک کو بھکمری سے بچا سکے، اشارے کو سمجھئے گا، ہم ہندوستانی لوگ اس حکمراں کی پریشانی کو زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اس لئے کہ ہم بھی ایسے ہی لوگوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں جو بے حد خودغرض اور کرپٹ ہیں اوردن رات ملک کولوٹنے کے سواانہیں کوئی اورکام نہیں ہے —— پھرآگے کیا ہوا؟ سنئے اوردل کے کانوں سے سنئے! جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس حکمراں کو آنے والے سنگین بحران سے آگاہ کیااوراس کے پوچھے بغیراس سے بچنے کی ایک ایسی ترکیب بھی بتائی تو وہ بادشاہ فوراً سمجھ گیا کہ اگرمیرے ملک اورمیری قوم کے لاکھوں لوگوں کوکوئی شخص اس بحران سے بچاسکتاہےتو وہ صرف یہی شخص ہے۔ اس لئے کہ اس کے سینے میں انسانوں کی محبت اور خیرخواہی بھی ہے اوراس بحران سے لوگوں کو بچانے کے لئے جومہارت درکار ہے وہ بھی اس کے پاس موجود ہے، چنانچہ فوراً ہی اس بادشاہ نے یہ پیشکش کردی کہ ''إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ'' یعنی آج سے آپ ہمارے یہاں سب سے زیادہ معزز، بااختیاراورمعتمدترین منصب پرفائز کئے جاتے ہیں۔ قرآن کی تشریح کرنے والے ہمارے عظیم مفسروں نے تاریخی روایات کی روشنی میں بادشاہ کی اس پیشکش کی تفصیل بھی بیان کی ہے، پوری تفصیل تو میں اس وقت نہیں سنا سکتا، بس اتنا عرض ہے کہ بادشاہ نے اس وقت ان سے جوکچھ کہا تھااس میں یہ جملے بھی تھے:

''لایمضی أمر، ولاینفذشأن فی مصرالاّبرأیک ومشورتک'' (آج کے بعد سے ملک مصر میں کوئی حکم اورکوئی فیصلہ تمہاری رائے اورمشورہ کے بغیرنہیں نافذ ہوگا)

اللہ اکبر! اللہ اکبر کبیراً، کل تک جوشخص برسہابرس سے جیل میں پڑا ہوا تھا، اورپوری سرکاری مشنری اسے بدنام کرنے پرتلی ہوئی تھی، آج وہی شخص ہے جس سے پورے ملک کا حاکم اعلی صاف لفظوں میں کہہ

رہا ہے کہ آج میں تم کو پہچانا ہوں، اور اب مجھے کسی اور پر نہیں صرف تم پر بھروسہ ہے۔ یاد رکھئے گا کہ حضرت یوسفؑ مذہب اور نسل دونوں حیثیتوں سے بالکل الگ تھے، اور پورے ملک میں بالکل اکیلے تھے، ایک طرف لاکھوں افراد پر مشتمل ایک طاقتور قوم تھی اور دوسری طرف ایک اکیلا فرد واحد تھا، زبردست اکثریت کے مقابلے میں ایک تنہا انسان! مگر ایک شاندار اور عظیم انسان!!!

اور پھر یہ بھی سنتے جایئے کہ اس پیشکش کے جواب میں حضرت یوسفؑ کا ردعمل کیا ہوا؟ انھوں نے جواب میں بادشاہ سے کہا ''اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ '' آپ مجھے (تمام شعبوں کی نہیں، صرف) زمین کی پیداواروں کی ذمہ داری دیجئے، میں دیانت دار بھی ہوں اور اس معاملہ کا علم بھی رکھتا ہوں —— پھر کیا ہوا؟ یہ مخلص بندۂ خدا اس قوم کی خدمت میں لگ گیا اور ایسے خلوص، ایسی محبت اور ایسے سلیقے سے غذا و خوراک کی وزارت کو سنبھالا کہ پورا ملک اس کا گرویدہ ہو گیا اور پھر ملک کے باشندوں نے اس سے وہ غذا ہی نہیں لی جس کی ضرورت ان کے جسموں کو تھی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ غذا بھی لی، اور خوب لی، جس کی ان کی روحوں کو ضرورت تھی، اور جو دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی کام آنے والی تھی۔ —— حضرت یوسفؑ نے اپنے پاک دل، پُرخلوص مزاج، سلیقہ و مہارت اور سخت محنت کے ذریعہ دنیا اور آخرت دونوں کے بحرانوں سے پوری قوم کو نکال لیا، لاکھوں سلام ہوں ان پر۔

یہ سلوک حضرت یوسفؑ نے اس قوم کے ساتھ اس کو بھوک کے بحران سے بچانے کے لئے کیا جس نے اور جس کی حکومت نے انہیں جیل میں ڈال رکھا تھا اور جن کو بے حد ذہنی اذیتوں میں مبتلا کر رکھا تھا، وہ اگر ہماری طرح ہوتے تو اس بحران کے بارے میں جان کر خوش ہوتے اور دل ہی دل میں کہتے کہ اب تیار ہو جاؤ بے گناہوں پر کئے گئے مظالم کی سزا پانے کے لئے، اب ملک میں لوگ بھوک سے مریں گے، اور تمہاری حکومت بدنام ہوگی اور میرے دل کو سکون ملے گا۔۔۔ مگر نہیں میرے بھائیو میری بہنو! اچھے انسان اور اصلی مسلمان کی سوچ یہ نہیں ہوا کرتی، انتقام کے جذبے سے اس کا سینہ پاک ہوا کرتا ہے، وہ نفرت کا جواب محبت سے دیتا ہے اور کانٹے بچھانے والوں کے راستے میں پھول بچھاتا ہے، اور برائیوں کا جواب بھلائیوں سے دیتا ہے۔ سلام ہو یوسفؑ کے اخلاق پر، سلام ہو ان کی عالی ظرفی پر، اور خدا توفیق دے کہ ہم اس واقعے سے بھرپور سبق لیں۔

اے لوگو! اس واقعہ کے حوالے سے میں اپنے ان بڑوں کی موجودگی میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں

کہ آج آپ صرف دفاعی اور احتجاجی مزاج لے کر جانے کے بجائے یہ عزم و حوصلہ بھی لے کر جائیے کہ ہمیں خود بھی ایک اچھا انسان بننا ہے اور اپنی قوم اور ملک کو بھی اس بے ایمانی، اس کرپشن، اس بے حیائی، اس عریانیت اور اس درندگی و حیوانیت سے نکالنا ہے جو اس پر بری طرح چھا گئی ہے۔

میرے دل کا یقین ہے کہ اس ملک کی قسمت میں اگر کبھی ان بحرانوں سے نکلنا مقدر ہے تو وہ ان ہی لوگوں کے ذریعہ ہوگا جو نبیوں کے ماننے والے ہوں گے اور جن کے دلوں میں انتقام کی آگ کے بجائے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوگا، جو معاف کرنے والے ہوں گے، جو صبر اور تقوی والے ہوں گے، جو آخرت کو سامنے رکھ کر جینے والے ہوں گے۔ ہم اگر مسجد و مدرسہ کا اور دینی تعلیم کے انتظام کا تحفظ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو صرف اپنے لئے نہیں، اس ملک کے لئے بھی اور پوری ملکی اور انسانی برادری کے لئے بھی۔ کاش کہ اس بات کو سمجھا جاتا، اور کاش کہ ہم خود اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیتے۔

آخر میں آپ سے ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں؟ بالکل درست ہے کہ ہماری موجودہ حکومت ایسے کئی قانون بنا رہی ہے جس سے ہمارے جمہوری حقوق متاثر ہوتے ہیں، اور جس سے ایک مسلمان کے طور پر زندگی گذارنے کے راستے میں شدید رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں، مگر ذرا مجھے بتائیے کہ کونسا قانون ہے جو آپ سے آپ کی شادی کی تقریبات میں فضول خرچیاں کروا رہا ہے؟ جو جاہلانہ رسم و رواج کروا رہا ہے؟ کونسا قانون آپ کو مجبور کرتا ہے کہ آپ لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کریں؟ اور لمبی چوڑی بارات کے شاندار استقبال اور کھانے کا بوجھ بھی ان پر ڈالیں؟ کونسا قانون ہے جس کی وجہ سے آپ چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر ناراض ہو کر اپنے غصیلے اور مشتعل مزاج کی وجہ سے اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں؟ آپ کو کیوں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کی اس غلطی کہ وجہ سے پوری دنیا میں اسلام بدنام ہوتا ہے؟ اور لوگ شریعت کے قانون میں تبدیلی کی باتیں کرنے لگتے ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاق دے ڈالنا بہت سنگین گناہ ہے؟ اور شریعت اسلامیہ کے قانون کے مطابق ایسا کرنے والا مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور اسے جیل بھیج دینا چاہئے ۔۔۔ آپ یہ بھی بتائیں کہ کونسا قانون ہے جو آپ کو مجبور کرتا ہے کہ آپ اپنے آپس کے جھگڑے، گھریلو مقدمات اسلامی شریعت کے مطابق طے کرانے کے لئے دارالقضاء لے جانے کے بجائے ان عدالتوں میں لے جائیں جہاں کے بارے میں آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہاں فیصلے اللہ کی شریعت کے مطابق نہیں ہوتے؟ اور پھر جب وہاں سے فیصلے شریعت کے قانون کے خلاف

ہوتے ہیں تو آپ احتجاج کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آخر مسلم پرسنل لاء بورڈ کیا کر رہا ہے؟؟ میں اس موقع پر جمع اپنی ہزاروں بہنوں سے بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر کون سا قانون ہے جس کی وجہ سے اکثر گھروں میں ساس، بہو اور نند، بھاوج کے جھگڑے ہیں، میں کئی سال سے آپ کے اسی علاقے میں رہتا ہوں، میرا مشاہدہ یہ ہے کہ یہاں کے معاشرے میں بڑی تعداد میں بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرتیں جو شریعت اسلامی سکھاتی ہے، میں اس مختصر سے وقت میں اس کی زیادہ تفصیل تو نہیں کر سکتا، لیکن بہت خلوص اور محبت کے ساتھ میں اپنی بہنوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ خدارا اپنی پیاری بیٹیوں کو اس سلسلہ میں صحیح تربیت ضرور دیجئے، تاکہ ان کی گھریلو زندگی خوشیوں بھری گذرے۔

بہر حال آج ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ شریعت کو خطرہ صرف اس کے دشمنوں کی طرف سے نہیں ہے، ہماری لا پرواہی، ہماری نفسانیت، ہماری جہالت اور ہماری بری عادتوں اور بگڑے ہوئے مزاج سے بھی شریعت کو خطرے لاحق ہو رہے ہیں، اور یہ پیاری شریعت بدنام ہو رہی ہے۔ یاد رکھئے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کو یہ جو غیر معمولی مقبولیت اور وقار واعتبار حاصل ہے جس کی گواہی لاکھوں مسلمانوں کا یہ مجمع بھی دے رہا ہے اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے یہ دونوں محاذوں پر جدوجہد کرتا ہے۔ ایک طرف یہ حکومت کو مخاطب کرتا ہے، عدالتوں میں پیروی کرتا ہے، اور دوسری طرف وہ مسلمانوں کو خود اپنا احتساب کرنے اور اپنی اصلاح کی بھی واشگاف دعوت دیتا ہے۔ کتنی مرتبہ سننے والوں نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے عظیم صدر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی زبان سے اسی طرح کے عام جلسوں میں اس طرح کے جملے سنے تھے کہ ''ہم حکومت سے کہیں گے اور ضرور کہیں گے، ایک بار، دو بار اور تین بار کہیں گے، اور وہ جس زبان میں سمجھے گی اس زبان میں کہیں گے، مگر ہم آپ سے کہیں گے سو بار اور ہزار بار، بلکہ آپ کے گریبان پکڑیں گے اور صاف لفظوں میں آپ سے کہیں گے کہ آپ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔۔۔۔ اور میں قسم کھا کر کہنے کے لئے تیار ہوں کہ آج بھی اس بورڈ کی قیادت جن بزرگوں کے ہاتھوں میں ہے ان کا بھی یہی درد ہے، موجودہ صدر بورڈ جو میرے استاذ بھی ہیں اور میرے استاذوں کے استاذ بھی ہیں اور ایک نہایت محترم گھرانے کے محترم فرد ہیں یعنی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ان کی کڑھن بھی یہی ہے۔

اس لئے میری گذارش ہے کہ آج اس میدان سے دونوں طرح کے عزائم لے کر جائیے، حکومت کو آج آپ کی طرف سے یہ پیغام مل جانا چاہئے کہ وہ ایسا کوئی قانون ہرگز نہ بنائے جس کی وجہ سے مسجد اور مدرسہ میں اور ہمارے دینی وشرعی دائرے میں مداخلت ہو سکے۔ اور جس سے قانونِ شریعت

پر زد آتی ہو، اور ساتھ ہی ساتھ اب تک کی کوتاہیوں پر اللہ سے معافی مانگتے ہوئے اللہ سے یہ عہد بھی کرکے جایئے کہ اب ہم پوری شریعت پر عمل کریں گے اور شادی بیاہ کا معاملہ ہو، یا ترکہ کی تقسیم کا، یا زندگی کا کوئی بھی حصہ ہو ہر جگہ اور زندگی کے ہر موڑ پر اللہ کی شریعت پر عمل کریں گے، اور اپنے اندر وہ اخلاق اور وہ جذبہ وہ فنی مہارت بھی پیدا کریں گے جس کے ذریعہ ہم اپنی مدد کے ساتھ ساتھ اپنے ملک اور قوم کی بھی خدمت کریں گے اور اسے ان تمام اخلاقی اور مادی بحرانوں سے نکالنے کی کوشش میں جان کی بازی لگائیں گے جن میں وہ پھنس گیا ہے۔ یہ ہے وہ پیغام جو آپ کو دینے کے لئے آپ کو یہاں بلایا گیا تھا، اللہ ہمیں ہمت بھی دے اور حکمت بھی، عزم بھی دے اور عقل بھی !

☆☆☆

محفل (۱۱۶) سورۃ النساء (۲۱)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

اللہ ذاتِ بے نیاز ہے، کسی کے کفر سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا ہے نہ اس کے مقاصد کی تکمیل کسی خاص قوم و جماعت پر موقوف!

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا
الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ ط وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا
فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَکَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰہِ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ
اَیُّھَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ کَانَ
یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط وَکَانَ اللّٰہُ
سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ
وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ج اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا
فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور ہم نے حکم دیا تھا ان کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی (حکم ہے) کہ اللہ سے ڈرو۔ اور اگر تم کفر کرو تو (سمجھ لو کہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ بے نیاز ستودہ صفات ہے (۱۳۱) اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کافی ہے کارسازی کو (۱۳۲) وہ اگر چاہے تو فنا تمھیں اے لوگو کرے اور دوسروں کو لے آئے۔ اور اللہ قادر اس پر

ہے(۱۳۳) جو کوئی خواہاں دنیا کے صلے کا ہو تو اللہ کے پاس دنیاوی صلہ بھی ہے اور آخرت کا صلہ بھی۔ اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے(۱۳۴) اے ایمان والو مضبوطی سے قائم انصاف پر رہنے والے بنو، گواہ اللہ کے بن کر (حق کے لئے) (وہ گواہی) چاہے تمھارے اپنے خلاف ہو، چاہے تمھارے والدین کے یا اقرباء کے۔ اور وہ (کہ جس کے بارے میں گواہی دینا ہے) امیر ہے یا مفلس ہے، تو اللہ اس کے لئے خیال کا تم سے زیادہ حقدار ہے۔ پس پیروی خواہشِ نفس کی نہ کرو کہ حق سے منحرف ہو جاؤ۔ اور کج بیانی اگر تم (شہادت میں) کرو یا پہلو بچاؤ تو اللہ کو خوب خبر تمھارے ہر کام کی ہے۔

خاتمۂ سورہ کی تمہید

سورہ میں اب تک جتنے مضامین گزرے یہ آیتیں ایک آگاہی کے انداز میں ان کی یاد دہانی کرتی نظر آتی ہیں۔ عدل وانصاف کا مضمون گزرا، اہلِ کتاب کی باتیں آئیں، منافقین کے تذکرے رہے اور اہلِ ایمان سے مخاطبت ہوئی، غور کیا جائے تو اِن آیتوں میں ان سبھی کی یاد دہانی کے اشارے رکھے ہوئے ہیں۔ اور پھر آگے ان مضامین کے اجمالی اعادے کے ساتھ سورہ اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔

بندوں کے کفر سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا

اللہ کی مالکیت وحاکمیتِ ارض وسماء کی یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان کو بھی ہم نے ہدایت فرمائی تھی اور تم کو بھی تمھاری کتاب میں حکم ملتا آرہا ہے کہ اللہ سے ڈر کر رہو۔ اور یہ بھی سب کو جتایا جاتا رہا ہے کہ تم اگر (نڈر ہو کر) کفر کی راہ پر چلے تو (اللہ کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا کہ) وہ تو آسمان وزمین کی ہر شئ کا مالک ہے اور بے نیاز اور اپنی ذات سے لائقِ حمد وستائش ہے۔''
اہلِ کتاب کو کی جانے والی فہمائش جس کا حوالہ یہاں دیا جارہا ہے وہ قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بایں الفاظ آئی ہے۔ آپ نے فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوا وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ (تم اور سارے جہاں کے انسان مل کر کفر کریں تو اللہ کی ذاتِ عالی پہ اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ وہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔ (سورہ ابراہیم۔ ۱۴/۸)

اس کا جیسا کارساز ہو تو کسی اور در کی جبہ سائی کا کیا جواز؟

یہ کل جہاں کی مالکیت اور بے نیازی کے اظہار سے دراصل تفہیم اس بات کی مقصود تھی کہ انسانوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ تقویٰ اور ایمان کی زندگی اختیار کریں۔ آگے بے نیازی کے بجائے کارسازی کی صفت کے حوالے سے پھر فرمایا گیا ہے (وَلِلّٰہِ ما فی السَّمٰوٰاتِ وَما فِی الْاَرْضِ وَ کَفیٰ بِاللّٰہِ وَ کیلاً) وکیل وہ شخصیت ہوتی ہے جس پر اپنے کام چھوڑ دیئے جائیں۔ پس گویا ارشاد ہوا کہ تمھاری کارسازی کی ذمہ داری تو اس ہستی نے اٹھا رکھی ہے جو زمین تا آسماں ہر شئی کی مالک و مختار ہے، پھر تم کیوں کر کوئی عذر اس کے سوا کسی اور در کی جبہ سائی کے لئے اور اس کی فرمانبرداری میں کسی ڈر سے کوتاہی کے لئے پا سکتے ہو؟ ان دو حوالوں سے اس بات کی حقانیت پر حجت تمام کرنے کے بعد کہ ایمان و اخلاص اور تقویٰ و اطاعت ہی میں خوش بختی و کامیابی کا راز ہے ارشاد ہوا ہے "اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ۔۔۔ (لوگو خبر دار ہو، وہ اگر چاہے تو کوئی مشکل اس کے لئے نہیں کہ تمھیں ہٹا کر ایک دوسری قوم (اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے) لے آئے۔ وہ اس پر پوری طرح قادر ہے۔" یہ بات اور بھی کئی جگہ آئی ہے۔ مثلاً اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ (اگر تم روگردانی کرو تو وہ تمھاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا، جو تم جیسے نہیں ثابت ہوں گے۔ سورہ محمد۔ ۴۷:۳۸)

دنیا کے فریب سے آخرت فراموشی بڑی نادانی!

دنیا کا فریب وہ شئی ہے کہ لوگ اللہ کا کلمہ پڑھ لینے کے بعد بھی اس کا مقابلہ نہیں کر پاتے، جہاد جیسا آخرت کی کمائی کا سنہرا موقع فریبِ دنیا کی نذر ہو جاتا ہے، ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں بعض شہداء، بعض علماء اور بعض رُؤساء لائے جائیں گے اور سوال ہوگا تم نے ہماری خاطر دنیا میں کیا کیا؟ شہید اپنی جان دینا بتائے گا، عالم اپنی تحصیلِ علم اور پھر لوگوں کو اس کی تعلیم کا حوالہ دے گا اور رئیس اپنی سخاوتیں گنائے گا۔ مگر ان سب کو جواب ملے گا کہ بے شک یہ کام تم نے کئے مگر ہماری خاطر نہیں، بلکہ اپنی بہادری دکھانے کی خاطر، خود کو عالم کہلانے کی خاطر، اپنی سخاوت کے ڈنکے بجوانے کی خاطر، پس لیجاؤ اور ڈالو ان کو جہنم میں! (ابنِ کثیر بحوالہ صحیح مسلم) علیٰ ہٰذا منافقین کی بابت اسی سورہ میں گزرا کہ وہ جہاد میں جانے سے جان چراتے ہیں، مگر جب مجاہدین فتح پا کر سالماً غانماً لوٹتے ہیں تو ان کے دلوں پہ سانپ لُوٹتا ہے اور کہتے ہیں یٰلَیْتَنِی کُنْتُ مَعَھُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزاً عظیماً (ہائے ہم نہ گئے ورنہ بڑا مال ہاتھ آتا۔ آیت ۷۳) ایسے ہی وہ لوگ جو اللہ کو رب جان کر اس سے مانگتے ہیں تو بس دنیا کی نعمتیں، اور آخرت کا خیال

انھیں مشکل ہی سے آتا ہے۔تو دین کو دنیا بنادینے والے اس فریب سے نکالنے کے لئے فرمایا جارہا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنيا فَعِنْدَ اللهِ ثَوَابُ الدُّنيا وَالآخِرَةِ (ارے نادانو، اللہ سے مانگنے میں، یا دینی اعمال کی ادائیگی میں آخرت کو بھول کر صرف دنیا طلبی میں کیوں پڑتے ہو؟ اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کے خزانے ہیں۔جبکہ محض دنیا مانگنے والے کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنيا حَسَنَةً وَمَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاقٍ۔ (۲۰۰) جبکہ آخرت کے طلبگار کو اللہ چاہے گا تو دنیا بھی بھرپور ملے گی۔مزید فرمایا: وَكَانَ اللهُ سَمِيعاً بَصِيراً یعنی یہ بات کہ کون کس چیز کی طلب میں ہے، یہ اللہ سے چھپا نہیں رہ سکتا، کہ وہ سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے۔

گواہی کے موقع پر سچائی ہی مؤمن کی شان ہے

دینداری کی آزمائش کا ایک بڑا ہی سخت موقع کسی معاملے میں حق کی گواہی ہے۔(اور کچھ ہی پیچھے ایسے ایک موقع کا ذکر گزر بھی چکا ہے۔آیات ۱۰۵ تا ۱۰۹) اس کے بارے میں ارشاد ہورہا ہے: ''اے ایمان والو، انصاف کا دامن کسی حال ہاتھ سے نہ چھوڑو اور اللہ کے لئے حق کی گواہی دینے والے بن کر رہو، چاہے خود اپنے ہی خلاف یہ گواہی (سچائی کے اقرار کی شکل میں) ہو یا اپنے والدین اور اعزہ کے خلاف پڑتی ہو، اور جس کے خلاف تمھاری گواہی پڑ رہی ہے اس کے بارے میں یہ بھی مت دیکھو کہ فلاں وجہ سے رعایت کا مستحق ہے۔اِنْ يَكُنْ غَنِيّاً اَوْ فَقِيراً فَاللهُ اَوْلَىٰ بِهِمَا (وہ اگر مالدار ہے یا مفلس ہے تو نہ مالداری کی پرواہ کرو نہ مفلسی کی رعایت، کیونکہ اپنے بندوں کے لئے بھلائی کے خیال کا حق اللہ کا زیادہ ہے۔تم اس سے زیادہ حقدار بننے کی کوشش مت کرو۔) الغرض اس معاملے میں اپنی خواہش کی پیروی کرکے حق کی پیروی نہ چھوڑو۔اور یاد رہے کہ اس خواہش کی پیروی میں تم نے شہادت دیتے وقت اگر کچھ کج بیانی یا پہلوتہی کی تدبیر سے حق بیانی میں کوتاہی کرنا چاہی تو اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔''

یہ آیت جیسی کڑی ذمہ داری ایک کلمہ گو پر عمر بھر کے لئے ڈال رہی ہے اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے کہ ایمان اصل میں سودا ہے اپنی دنیا کا اللہ کی رضا اور آخرت کے بدلے سے۔ قرآن ہی میں آیا بھی ہے۔اِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ !(التوبہ۔۹/۱۱۱)

☆☆☆

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ

قضا اور اس کی شرعی بنیاد

جب مسلمان کلمۂ اشھدان لاالٰہ الااللہ پڑھتا ہے تو وہ خدا پر اپنے پختہ یقین کا اظہار واقرار کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اللہ کی پسند کے مطابق گذارے گا۔ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں بس اللہ تعالیٰ ہی کے حکموں پر چلے گا۔ جھگڑے ہوں گے تو اسے اللہ کے اتارے ہوئے قانون یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے سامنے پیش کرے گا اور شریعت محمدی کے فیصلہ کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرے گا۔ اور اگر ایک طرف ایمان کا دعوی ہو، اور دوسری طرف احکام خداوندی سے روگردانی ہو، شریعت کے احکام سے گریز ہو، اللہ کا فیصلہ چھوڑ کر دوسروں کا فیصلہ طلب کیا جاتا ہو تو سمجھئے کہ ایمان میں خامی ہے، اور اللہ تعالی سے تعلق کمزور تر۔ قرآن کریم نے نفس کی اس کیفیت کو بڑے بلیغ انداز میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے:

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں'' (نساء آیت ۵۸)

اور اگر آپس میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو قرآن ہدایت دیتا ہے:

''پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام''

اور جو لوگ خدا کے فیصلہ سے روگردانی کر کے شیطانی فیصلے قبول کرتے ہیں، ان کا حال سنئے:

''کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعوی کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے، (مگر) چاہتے ہیں کہ قضیہ (جھگڑوں کا فیصلہ کرائیں) لے جائیں شیطان کی طرف، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ طاغوت کا کفر کریں۔ اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر دور لے جائے''۔

ایسے لوگوں کو جب خدا کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح جان چھڑا لیتے ہیں:

''اور جب ان کو کہا جائے کہ آؤ اس (شریعت) کی طرف جسے اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف، تو آپ دیکھیں گے منافقین کو کہ وہ ہٹتے ہیں تجھ سے رک کر (کسی نہ کسی طرح جان بچانے کی کوشش کر کے اور اللہ کے فیصلہ سے گریز کرتے ہیں) (سورہ نساء آیت ۶۱)

ابھی تو ان منافقین کا حال یہ ہے کہ باوجود دعویٰ ایمانی کے فیصلۂ خداوندی سے گریز کرتے ہیں اور جان بچاتے پھرتے ہیں اور غیر اللہ سے فیصلہ کراتے ہیں۔ لیکن جب ان سے اس برے کرتوت کی وجہ سے ان پر خدا کا عذاب نازل ہونے لگے تو پھر کیا کریں گے:

''پھر کیا ہو کہ جب ان کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں کے کئے ہوئے سے، پھر آویں آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے، سو آپ ان سے تغافل کیجئے، اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان کے حق میں کہئے بات کام کی''۔
(نساء آیت ۶۲)

آگے قرآن پاک کہتا ہے کہ رسول تو اللہ تعالیٰ اس لئے بھیجتا ہے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے۔ اور ان کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے، اگر کچھ لوگ اس راہ میں غلطیاں کر چکے ہیں تو اب بھی ان کے لئے موقع ہے کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں:

''اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ ان کا حکم مانیں اللہ کے فرمانے سے'' (نساء)

قرآن کریم کے ان پاک ارشادات کا حاصل یہ ہے:

● اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانو، اور اپنے میں سے صاحبِ امر کے اُن احکام پر عمل کرو جو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے مطابق ہوں۔

● کوئی نزاع آپس میں پیدا ہو جائے تو بس اللہ اور رسول کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ کراؤ۔

● ایک طرف ایمان کا دعوی اور دوسری طرف غیر اللہ سے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرانا منافقین کا کام ہے۔

● مومن ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے ہر اختلاف میں اللہ و رسول کے فیصلہ کو حرف آخر تسلیم کرے اور اس کو خوشی کے ساتھ قبول و منظور کرے۔

پس یہی وہ تعلیمات ہیں جن پر قضا کی بنیاد ہے۔ قضاء کا مطلب بس اتنا ہے کہ ''آپس میں جھگڑوں کے بارے میں اللہ تعالی کی اتاری ہوئی شریعت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے مطابق فیصلہ لیا جائے'' ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں مسلمان قوت قاہرہ سے محروم ہیں، دارالقضاء کے قیام کا مقصود یہ ہے کہ ''مسلمان جس حد تک ممکن ہو اپنے جھگڑوں میں خود اپنی مرضی سے شریعت کے مطابق فیصلے حاصل کر سکیں'' یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے اپنی قیمتی کتابوں میں یہ بات صاف صاف لکھ دی ہے کہ جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ ہو وہاں مسلمانوں پر ضروری ہوگا کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو امیر منتخب کرلیں جو ان کے لئے قضاۃ کا تقرر کرے۔ مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے:

''وہ ممالک جہاں والی کفار ہو تو (وہاں) مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عید کا قائم کرنا جائز ہے۔ اور مسلمانوں کی باہمی رضا سے مقرر کیا ہوا قاضی وہاں ''قاضی'' قرار پائے گا۔ پس مسلمانوں پر ضروری ہوگا کہ اپنے میں سے کسی مسلمان والی کی تلاش کریں''۔

اور علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے:

''جب کسی ملک میں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وہاں نہ مسلمان بادشاہ ہو اور نہ کوئی دوسرا ایسا والی جس کی طرف سے قاضیوں کا تقرر درست ہو، جیسی صورت حال قرطبہ جیسے ان مسلم ممالک میں پیدا ہو چکی ہے جہاں کفار کا غلبہ اور اقتدار ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو کر اسے امیر بنالیں اور وہ ان کے مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی مقرر کرے اور وہی قاضی مسلمانوں کے باہمی نزاعات کا فیصلہ کیا کرے۔''

صاحب نہر کہتے ہیں:

''یہی وہ طریقہ ہے جس پر قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے پس اس پر بھروسہ کرنا چاہئے''۔[۱]

ان ہی مصالح شرعی کی رعایت کرتے ہوئے ہر دور میں علماء دین حنیف نے نظام قضاء کے قیام کو

---

[۱] وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين، فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم اهـ وعزاه مسكين في شرحه إلى الأصل ونحوه في جامع الفصولين. وفي الفتح: إذا لم يكن سلطان، ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم، ويجعلونه واليا فيولى قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة اهـ. وهذا هو الذي تطمئن النفس إليه فليعتمد۔ نهر (شامی، کتاب القضاء ص ۲۰۸، ج ۴)

ایک ضروری کام قرار دیا ہے۔علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی ایسی جماعت پر اپنے میں سے کسی کو امیر مقرر کر لینا ضروری قرار دیا جو دورانِ سفر عارضی طور پر تھوڑے سے افراد کے اکٹھا ہو جانے سے بن جاتی ہے اور اس طرح اجتماع کی تمام قسموں کے احکام پر متنبہ فرما دیا۔اور ولایت قضا کا قیام تو دینی نقطۂ نظر سے اور اللہ تعالیٰ سے تقرب کے پیش نظر واجب ہے کہ یہ کام بہترین ثواب کا موجب اور خدا سے نزدیک کرنے والا ہے''۔ ۱؎

اور امام سید سمہودیؒ کا فتویٰ یہ ہے:

''ایک زمانے تک کسی علاقے میں قاضیوں کے تقرر کا سلسلہ بند کر دینا معصیت ہے''

فتاوی کبری میں سید سمہودیؒ کے اس فتوے کے بعد متصلا مذکور ہے:

''اس کی تائید علامہ مقدسی کے اس قول سے ہوتی ہے جو ''اشارات'' کے باب القضاء میں ہے کہ جب اہل شہر سب کے سب اس پر مجتمع ہو جائیں کہ کوئی شخص ان میں قضا کا والی نہ ہو تو سب کے سب گنہگار ہوں گے'' ۲؎

علامہ ابن حجر نے لکھا ہے:

''جب کسی علاقے پر اس کی مرکز سے دوری کے باعث یا اس وجہ سے کہ اس علاقے کی خبریں مسلم والی تک نہ پہنچتی ہوں یا وہاں کے لوگ سلطان کی اطاعت نہیں کرتے اگر (اس طرح کے اسباب کی وجہ سے) سلطان کا اثر اور اقتدار اس علاقہ پر ختم ہو چکا اور وہاں اس نے قاضی مقرر نہیں کئے تو وہاں کے ذمہ داروں پر واجب ہوگا کہ کسی کو اپنا والی مقرر کر لیں جو ان کے احکامِ شرعی کو انجام دیں۔اور ان کو منتشر چھوڑ دینا جائز نہ ہوگا کہ اس سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے''۔ ۳؎

علامہ ابوالحسن اصبحی شافعی سے پوچھا گیا کہ:

''اگر کسی علاقے میں بااقتدار حاکم موجود نہ ہو اور عورتوں کے لئے ولی نہ ہو، بچوں کے لئے وصی نہ ہو، اسی طرح مسلمانوں کے دوسرے معاملات کے لئے کوئی ذمہ دار نہ ہو تو کیا اس ملک والوں کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ کسی فقیہ (قاضی) کو مقرر کر لیں جو ان کے ناموس

۱؎ کتاب الاختیارات لشیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ ۲؎ و ۳؎ فتاویٰ کبریٰ

اوراموال کے بارے میں شرع کی روشنی میں معاملات طے کرے''؟۔

توانھوں نے جواب دیا:

''ہاں! جب ان کے معاملات کا ذمہ دار والی موجود نہ ہوتو اہل حل وعقد میں سے تین آدمی اکٹھے ہوکر قاضی مقرر کرلیں''۔[۱]

اکابر ہند کا رجحان

اکابر علماء ہند میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، انھوں نے انگریزوں کا تسلط ہوتے ہی حسبِ ذیل فتویٰ دیا تھا:

''اگر کفار کی طرف سے مسلمان ولی دارالحرب کے کسی مقام پر مقرر ہوتو اس ولی مسلم کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے، ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک امین اور دیندار شخص کو سردار (ولی) خود ہی مقرر کرلیں اور اس کے حکم سے جن نابالغوں کا کوئی ولی نہ ہو نکاح پڑھایا جائے اور غائب اور یتیموں کے مالوں کی حفاظت کی جائے اور موافق حصص شرعیہ ان ترکات کی تقسیم کی جائے جن میں نزاع ہو، سوائے اس بات کے کہ ملکی کاموں میں مداخلت اور تصرف والی کو نہیں کرنا چاہئے''۔

اکابر علماء ہند نے اجتماعی حیثیت سے بھی اور انفرادی طور پر بھی قضائے شرعی کے قیام کی ہمیشہ اہمیت محسوس کی ہے اور اس کے قیام کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں، چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے اساسی اصول وآئین وضوابط (جو دہلی کے اجلاس ۷/۸/۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹/۲۰/۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں منظور ہوکر شائع ہوئے ہیں) میں دفعہ ۴ شق واو کے تحت اغراض ومقاصد کے ذیل میں ''شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے فصل خصومات کے لئے محکمہ دارالقضاء قائم کرنا'' بھی داخل ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے بارہویں اجلاس منعقدہ ۱۹۴۰ء بمقام جونپور بصدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ میں حسبِ ذیل تفصیلی تجویز منظور فرمائی:

''تجویز ۵: جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی ترقی اور اقتصادی اصلاح اور ہر نوع کی فوز وفلاح کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے ماتحت

---

[۱] فتاویٰ کبریٰ

اپنا امیر منتخب کرلیں، اس کے ہاتھ پر سمع وطاعت کی بیعت کریں، یہ ایک اہم فریضہ ہے جس کی طرف جمعیۃ علماء ہند ۱۹۲۱ء سے مسلمانوں کو توجہ دلا رہی ہے، بہرحال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے"۔

اس تجویز کو حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمۃ کی اس توضیح کی روشنی میں پڑھیں جس میں موصوف نے قیامِ امارت کے مقاصد کو بیان فرمایا ہے:

"(اس کا) مقصد مسلمانوں کی صحیح مذہبی تنظیم اور ان کی اسلامی زندگی کی استواری، اسلامی حقوق اور مفادات کی نگہداشت، اسلامی اصول وفروع اور اس کے احکام کو بروئے کار لانا، اور بقدر وسعت اس کے اجرا اور تنفیذ کے مواقع پیدا کرنا تھا، اور نکاح وطلاق، میراث وخلع کے احکام کی صحیح صورت میں اقامت تھا۔ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے الفاظ میں اقامت جمعہ واعیاد، والنکاح من ولی من الصغار، وحفظ مال غائب وایتام، قسمت ترکات متنازع فیہا علی السہام کے فرائض کو انجام دینا تھا" (تاریخ امارت)

۱۹۱۷ء کا میمورنڈم

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے اپنے خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی میں یہ لکھا ہے کہ قیام قضاء کے لئے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۱۹۱۷ء میں حضرت مولانا محمد احمدؒ کی سربراہی میں ایک موقر وفد وزیر ہند سے ملا، اس میمورنڈم کی تھوڑی سی تفصیل خود حضرت قاری صاحب موصوف کے الفاظ میں پڑھئے:

"اس میمورنڈم میں بنیادی مطالبے دو تھے، ایک یہ کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے اجراء کے لئے محکمۂ قضا قائم کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر، مساجد، مدارس، مقابر، اوقاف، خانقاہوں اور دوسرے دینی رفاہ عام کے تحفظ و نگرانی اور نظم ونسق کے لئے شیخ الاسلام کا عہدہ قائم کیا جائے جو ان تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ چلانے کا ذمہ دار ہو"۔

مولانا عثمانیؒ کا ارشاد گرامی

صوبۂ بہار کے مشہور شہر گیا میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس منعقد ہوا تھا، اجلاس کی صدارت مولانا

حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ نے فرمائی اور اپنے خطبۂ صدارت میں وضاحت اور صراحت کے ساتھ فرمایا:

''ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر طاقت کے زیر حکومت ہے اور ان کے اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے، ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے ''والی'' اور ''امیر'' مقرر کر لیں دار القضاء قائم کر کے قضاۃ اور مفتیین کا تقرر کریں''۔

۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس ہوئی، اس سال مسلم کانفرنس دہلی نے صراحت کے ساتھ ایک خاص تجویز کے ذریعہ قیامِ دار القضاء کو اپنے مطالبہ میں شامل کر لیا تھا، پھر ان حضرات کی مزید تنبیہ اور تقویت کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داروں نے ان تمام حضرات کے پاس اپنا خاص فارمولہ خصوصیت سے بھیج دیا تھا (نقیب مجریہ ۲۰/رجب ۱۳۵۲ھ) تذکرۂ علماء ہند صفحہ ۳۳، ۳۴ پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے قیام امارت کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اب ۔۔۔ ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور قیام امارت فی الہند کی تجویز شرعی کو عملی شکل دی جائے''۔

حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک قیمتی تحریر اس سلسلہ میں ارقام فرمائی ہے جو ''مسئلۂ امارت اور ہندوستان'' نامی کتاب میں بطور مقدمہ شامل ہے، اس تحریر میں علامہ نے امارت شرعیہ اور دار القضاء کے قیام کی اہمیت کو بہت واضح لفظوں میں سمجھایا ہے۔

مولانا مونگیریؒ نے فرمایا

قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ فرماتے ہیں:

''اسلام کے معاشرتی مسائل، فسخ نکاح، تفریق، خلع، وغیرہ سب کے سب ایسے مسائل ہیں جن میں قضائے قاضی شرط ہے اور بغیر قضائے قاضی کے ان کا حل ممکن نہیں ہے، متقدمین و متأخرین تمام اس پر متفق ہیں، موجودہ زمانے میں شرعی قاضی نہ ہونے کی وجہ سے کتنے مفاسد پیدا ہو رہے ہیں، اس پر واقعات مسلمانوں کی زندگی کے شاہد ہیں، حتی کہ اب سنا جاتا ہے کہ بعض شریف عورتیں نعوذ باللہ ظالم شوہروں سے جانبر ہونے کے لئے

ارتداد کی راہ تک رہی ہیں''

''اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمانوں کا کسی کافر کے سامنے اپنے مقدمات کو فیصلہ کے لئے از خود لے جانا شرعاً حرام ہے، حتی کہ کسی کافر کو حاکم بنانا بھی جائز نہیں ہے، فقہائے کرام نے اس کی تصریح فرمادی ہے۔''

(خطبۂ صدارت اجلاس پنجم جمعیۃ علماء بہار ۱۹۴۳ء)

حضرت مولانا لکھنویؒ کا فتویٰ

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کے پاس بنگال سے ایک سوال آیا کہ ایک نابالغ لڑکی کی شادی اس کے غیر ولی مجبر نے کردی تھی، اس نے بعدِ بلوغ، خیارِ بلوغ کا استعمال کرتے ہوئے خود ہی بغیر قضائے قاضی کے نکاح فسخ کرکے دوسرے سے نکاح پڑھالیا، اس کے جواب میں مولانا موصوف نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

''خیارِ بلوغ کی بنا پر نکاح کو فسخ کرنے میں قضائے قاضی شرط ہے، اس لئے دوسرا نکاح ناجائز ہوا، اور جن شہروں پر کفار کا قبضہ ہے اور وہاں قضائے قاضی موجود نہیں ہے اور ایسا واقعہ ہوجائے تو یہ کرنا چاہئے کہ جہاں قاضی ہو وہاں معاملہ پیش کرکے انفصال طلب کرنا چاہئے مثلاً حجاز، روم، رامپور، بھوپال وغیرہ۔''

مجموعۂ فتاوی عبدالحیؒ صفحہ ۲۶ ج ۲)

حضرت کشمیریؒ کا ارشاد

پشاور میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے جو خطبۂ صدارت پڑھا، اس میں آپ نے ''دار القضاء شرعی کا فقدان'' کے عنوان کے تحت فرمایا:

''سب سے زیادہ اہم مصیبت ہندوستان کے مسلمانوں کی یہ ہے کہ ہندوستان میں دار القضاء شرعی مفقود ہے، مذہبی احکام و معاملات میں بہت سے امور ایسے ہیں جن میں قاضی شرعی کے فیصلے کی ضرورت ہے، اور بغیر اس کے فیصلہ اور حکم کے وہ نافذ بلکہ جائز العمل نہیں ہوتے، نکاح، طلاق، خلع، میراث، وغیرہ کے بہت سے معاملات ہیں جو ابنائے زمانہ کی مذہبی تعلیم اور مذہبی تربیت نہ ہونے اور ہوائے نفسانی کی اتباع کی وجہ سے

ایسے الجھے ہوئے ہیں کہ بدون تنفیذی قوت کے ان کا سلجھاؤ نہیں ہوسکتا، علماء ومفتیان دین کا کام صرف حکم شرعی نافذ کردینا ہے، لیکن اس حکم کو جاری کرنے کی کوئی طاقت علماء اور مفتیوں کے ہاتھ میں نہیں ہے، اس لئے تمام ایسے معاملات میں جن کو قاضی شرعی کی عدالت سے فیصلہ ہونا چاہئے تھا غیر مسلم ججوں کی عدالتوں سے فیصل ہوتے ہیں۔ اور شرعی احکام کے موافق وہ احکام نافذ اور جائز العمل نہیں ہوتا، اس کے علاوہ بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں موجودہ قانون وقت مسلمانوں کی ضرورت کے لئے ناکافی یا ان کی ضرورت کے بالکل منافی واقع ہوا ہے اور اس لئے حکومت کی عدالتوں سے ایسے فیصلے ہوجاتے ہیں جو مصالح اسلامیہ کے بالکل خلاف اور احکام مذہبیہ سے متضاد واقع ہوتے ہیں۔

ان تمام وجوہ پر نظر کرکے جمعیۃ علماء ہند کئی سال سے متواتر جمہور مسلمین کو متنبہ کررہی ہے کہ وہ جلد از جلد اس فریضہ کو ادا کریں کہ اپنے معاملات وقضایا کے فیصلہ کے لئے شرعی قاضی مقرر کریں اور تمام ایسے معاملات جن میں قاضی شرعی کے فیصلہ کی ضرورت ہے اس کی عدالت میں رجوع کرکے اس کے شرعی فیصلہ پر کاربند ہوا کریں''۔

پھر حضرت موصوف نے مظلوم، مجبور، اور بے کس عورتوں کی مشکلات کا واحد حل قاضی کے فیصلہ کو قرار دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

''مسلمان جب کہ باہمی اتفاق سے اپنے امیر اور قاضی منتخب کرلیں گے تو ان پر ان کے احکام اور فیصلوں کا تسلیم کرنا بھی لازم ہوگا اور ان میں امیروں، قاضیوں کو شرعی فیصلہ دینے کا حق ہوجائے گا اور اس طرح مسلمانوں کے شرعی معاملات قضائے شرعی کے ماتحت انجام پذیر ہوں گے۔۔۔۔

ہندوستانی صوبوں میں سے بہار قابل مبارک باد ہے کہ اس نے امارت شرعیہ کا ایک نظام قائم کر رکھا ہے اور اس کے ماتحت بہت سے مفید قومی اور مذہبی کام انجام پاتے ہیں۔ اگر ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی اس فرض کو ادا کریں تو پھر ان کی اجتماعی قوت سے ہر صوبہ کی مقامی حیثیت بھی بہت قوی ہوجائے گی اور تمام ہندوستان میں ایک منظم محکمۂ

شرعیہ قائم ہوجائے گا''۔　　(خطبۂ صدارت اجلاس پشاور ۱۳۴۶ء)

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کی تقریر

دارالقضاء امارت شرعیہ بھوجپور جدید، ضلع آرہ، بہار، کے افتتاح کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ نے فرمایا:

''آج کی دنیا میں شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کے تمام تر مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں ڈھونڈیں اور مسلمان اسلامی قوانین نافذ وجاری کریں۔نکاح وطلاق، فسخ وخلع اور دیگر باہمی معاملات اپنے قائم کردہ امارت اوردارالقضاء کے فیصلہ سے حل کریں۔ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے سامنے اول یوم سے جوسب سے اہم ترین کام پیش ہے وہ مسلمانوں کی اسلامی تنظیم اور نظام شرعی کا قیام ہے'' (نقیب ۲۱/دسمبر ۱۳۵۹ء)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کا ارشاد

پچھلے سال ۱۳۹۲ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ''نظام قضاء کا قیام'' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا،جس میں انھوں نے قضاء کے قیام کو ہندوستانی مسلمانوں کے دینی وملی فریضہ ومعاشرتی مسائل کا واحد شرعی حل قرار دیا،قضاء کی اہمیت اور تاریخ پر گفتگو کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ؒ نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اول صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کو قاضی مقرر فرمایا، پھر حضرت حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بلالحاظ مسلک مختلف مسالک کے پانچ سو سے زیادہ علماء کرام سے نظام قضاء کے مسئلہ پر تائیدی دستخط حاصل فرمائے۔یہ تائیدی تحریرات اور دستخط آج بھی محافظ خانہ دارالعلوم میں محفوظ ہیں۔اس مسئلہ کو متاخرین علماء میں حضرت مولانا محمد سجادؒ نے پوری قوت سے اٹھایا''

موجودہ حالات کی مشکلات وپیچیدگیوں پر بحث کرنے کے بعد قاری صاحب موصوف ارقام فرماتے ہیں:

''ان حالات میں مسلمانوں کی جماعتی زندگی کا قیام اور بقدر استطاعت احکام شرعی اسلامی کے نفاذ کے لئے نظام قضاء کو ہندوستان گیر پیمانے پر پوری طرح منظم کردینا ملت اسلامیہ کا فرض اولیں ہونا چاہئے ۔۔۔۔ اس بارے میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ امارت اور اس کے تحت محکمہ دارالقضاء کا ملک میں قیام کوئی دشوار امر نہیں اور نہ اس میں کوئی خاص رکاوٹ ہے، اس کا ایک صوبائی نظام ۵۰ سال سے صوبۂ بہار واڑیسہ میں قائم ہے، صوبہ میں متعدد مقامات پر دارالقضاء قائم ہیں، جہاں امارت کی طرف سے قضاۃ مقرر ہیں ،۔۔۔مسلمان ان دارالقضاؤں میں اپنے ہر طرح کے مقدمات لاتے ہیں اور بہت آسانی سے انصاف حاصل کرتے ہیں اور سالہا سال کا تجربہ ہے کہ ان دارالقضاؤں کے فیصل شدہ مقدمات بے چون وچرا مسلمانوں میں مانے جاتے ہیں۔ اس پورے پچاس سال میں غالباً صرف ۱۱ مقدمات ہیں جن کی اپیل سرکاری عدالت میں کی گئی، مگر یہ بات خوشی کی ہے کہ سرکاری عدالت نے ان ہی فیصلہ جات کو باقی رکھا جو قاضیوں نے کئے تھے۔

اگر پورے ملک میں اس طرح کے دارالقضاء قائم ہوگئے تو اس کی پوری توقع ہے کہ نکاح وطلاق اور فسخ وتفریق سے سو فیصدی اور دوسری قسم کے بہت سے مقدمات ان دارالقضاؤں میں دائر ہو کر فیصل ہوں گے اور پھر ان کے ذریعہ مسلمانوں کے بہت سے اندرونی وبیرونی جھگڑے خود بخود طے پاتے رہیں گے۔''

ایک غیر مسلم کا اعتراف

اس تحریر کے خاتمہ پر بہتر ہے کہ ایک غیر مسلم کا اعتراف بھی پڑھتے جائیں۔ ہنٹر لکھتا ہے:

''ہم جانتے ہیں کہ باقاعدہ قاضیوں کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی مذہبی قواعد کے ساتھ بسر کرسکیں، ان کی اجازت بعض مذہبی مراسم ہی میں ضروری نہیں بلکہ مسلمانوں کی روزانہ زندگی میں بھی کئی ایک چھوٹے چھوٹے مسئلے ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا صحیح حل صرف قاضی ہی کرسکتا ہے''

(ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۲۶۹،۲۶۸)

پس قرآن وسنت اور علمائے امت کے فتاویٰ کی روشنی میں پورے ملک میں نظام قضاء کا قیام اور

اس کے ذریعہ مسلمانوں کو شرعی فیصلہ حاصل کرنا اور خصوصیت کے ساتھ معاشرتی وازدواجی زندگی کی مشکلات کو حل کرنا، ایک بڑا فریضہ ہے، دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اصحاب ہمت علماء کو اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے کھڑا کردے۔ آمین

(ماخوذ از: الفرقان جلد ۴۱ شمارہ ۱۱، ذی القعدہ ۱۳۹۳ء دسمبر ۱۹۷۳ء)

☆☆☆

نوٹ:

یہ ناچیز مدیر الفرقان اپنے تمام قارئین اور اہل تعلق سے یہ گذارش کرتا ہے کہ:

✷ اگر ان کے علاقے میں دارالقضاء پہلے سے قائم ہے تو وہ اس کو مستحکم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں، اور ائمۂ مساجد اور بااثر حضرات کی مدد سے علاقے کے عوام میں یہ تحریک چلائیں کہ وہ اپنے آپسی معاملات کو شریعت اسلامی ہی کی روشنی میں حل کرانے کے لئے دارالقضاء سے رجوع کریں، اور اس کے فیصلوں کو ایمانی جذبے سے قبول کریں۔

✷ اور اگر آپ کے علاقے میں دارالقضاء قائم نہیں ہے تو اس کے قیام کی فکر ایک دینی فریضہ سمجھ کر ضرور کریں، ملک کے طول وعرض میں شرعی اصولوں کے مطابق دارالقضاء کا قیام آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بنیادی مقاصد اور اس کے اصل کاموں میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں فقہ وقضا کے ماہر علماء کرام کی ایک کمیٹی اس کی طرف سے متعین اور کوشاں ہے، جس کے کنوینر محترم مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی صاحب ہیں۔ آپ اس سلسلہ میں ان سے براہ راست اس پتہ پر رابطہ قائم کرسکتے ہیں!

✷ جناب مولانا عتیق احمد بستوی صاحب، دارالعلوم ندوۃ العلماء

P.o.Box: 93, Lucknow U.P

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندویؒ

دین کے تمام خدمت گذاروں کی خدمت میں ایک دردمند خادم دین کا فکر انگیز پیغام

(پہلی قسط)

[مشاہدات وتجربات اور گہرے مطالعے اور تجزیے پر مبنی جو فکر انگیز مضمون ذیل میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ تقریباً ۵۶ سال پہلے الفرقان: ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ میں ''فسق وتقویٰ کی کشمکش اور دین کے خادموں کو دعوتِ فکر'' کے زیر عنوان شائع ہوا تھا، جو ضرورت اُس وقت اِس مضمون کے لکھنے اور اس کی اشاعت کی محرک بنی تھی، آج بھی وہ بدستور ہے بلکہ امتداد زمانہ سے اس کی شدت میں اضافہ ہی ہوا ہے ——— امید ہے کہ ہمارے اہلِ علم وفکر حضرات اسے بغور پڑھیں گے اور اپنی آراء اور تأثرات سے بھی آگاہ کریں گے۔ اس مضمون کی پہلی بار اشاعت کے موقع پر جو نوٹ اس پر ادارۂ الفرقان کی طرف سے لکھا گیا تھا وہ یہ تھا:

''اس مضمون کے خاص مخاطب وہ بندگان خدا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کا درد اور دین کی خدمت و نصرت کا جذبہ عطا فرمایا ہے اور وہ بددینی کے مقابلہ میں دینداری کو اس دنیا میں غالب دیکھنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کچھ کرتے رہتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں ——— مضمون اگرچہ خاصا طویل ہے لیکن اپنے مشتملات اور صاحب مضمون کے اخلاص کی وجہ سے اس کا مستحق ہے کہ دین کا ہر سچا اور مخلص خادم اس کو پڑھے ——— ضروری نہیں کہ اس میں پیش کئے ہوئے سارے نقاط اور دئے ہوئے سب مشوروں پر غور کرنے والا اتفاق ہی کرے، لیکن کھلے دماغ سے اگر غور کیا جائے گا تو اس کا بہت بڑا حصہ ہر ناظر کو قابل قبول ہی نظر آئے گا ——— ادارہ'']

دین دار اور دنیا دار یہ دو طبقے ہیں جن میں مسلم معاشرہ تقسیم ہو چکا ہے، تقسیم کی تاریخ سے ہمیں بحث نہیں لیکن اتنی بات کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اس کی ابتداء ہماری شامتِ اعمال سے وابستہ ہے، دینی حس پر یہ تقسیم بہت گراں ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اسلام کے نزدیک لفظ ''دنیادار مسلمان'' بالکل بے معنی ہے، نہ اس کے نزدیک دین و دنیا کی ایسی تفریق روا ہے جس سے ان دونوں طبقوں کا ظہور ہو، لیکن ہزار تلخ ہونے کے باوجود یہ تقسیم ایک حقیقت بن چکی ہے اور امت کے دینی مسائل پر غور وفکر کرتے وقت اسے نظر انداز کر دینا کسی طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

اس وقت میرا مخاطب مسلمانوں کا دین دار طبقہ ہے یعنی وہ طبقہ جو دین کو دنیا پر مقدم رکھتا ہو، خواہ اس کے افراد عالم ہوں یا عامی، روئے سخن مخصوص طور علماء و مشائخ کی طرف ہرگز نہ سمجھا جائے، اس لئے کہ جس کشمکش پر یہاں بحث کرنا ہے اُس میں صرف علماء و مشائخ ہی مبتلا نہیں بلکہ فسق وتقویٰ کی کشمکش ایک ہمہ گیر کشمکش ہے جس میں ہر دیندار مسلمان شعوری یا غیر شعوری طور پر حصہ دار ہے۔

یہ ایک اندرونی جنگ یا نفسی معرکہ آرائی ہے جو خود امت کے اندر جاری ہے اور کفر و اسلام کی کشمکش سے مختلف مگر اس سے زیادہ خطرناک ہے، یہ ایسی عجیب جنگ ہے جو خود اپنے خلاف لڑنا چاہتی ہے اور ہمہ وقت جاری رہتی ہے۔ یہ معرکہ صدیوں سے جاری ہے، ایک طرف امت کا وہ طبقہ ہے جو خدا تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اور یہ چاہتا ہے کہ سارے عالم میں نہ سہی تو کم از کم مسلمان نام کی امت میں اس اطاعت الٰہی کا رواج عام ہو جائے اور مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ اسلامی بن جائے۔ اس کے مقابلہ میں وہ طبقہ ہے جو حق تعالیٰ شانہ سے بغاوت کا اعلان تو نہیں کرتا مگر عملی زندگی کو کلیۃً احکام الٰہی سے آزاد رکھنا چاہتا ہے یہی نہیں بلکہ مسلمان سوسائٹی کو ایک ایسی آزاد سوسائٹی بنا دینا چاہتا ہے جس کا شعار فسق اور حق تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔

صدیوں کی بات تو چھوڑئے صرف ایک آدھ صدی پر غور کر کے معرکۂ کارزار کا جائزہ لیجئے اور سوچئے کہ اس کشمکش اور تصادم میں کون ہار رہا ہے اور کس کی جیت ہو رہی ہے؟

غلبۂ تقویٰ کے لئے ہم نے کیا کیا؟ اس کے جواب میں ان سب دینی تحریکوں، جماعتوں اور اکابر علماء کی کوششوں کو پیش کر سکتے ہیں جو اس صدی میں موجود رہیں اور آج بھی بہت کچھ موجود ہیں، جہاں تک اشاعتِ تقویٰ کی تدابیر و مساعی کا تعلق ہے یہ صدی شاید ایک امتیازی شان رکھتی ہے اور بہت سی صدیوں کے سامنے سر افتخار بلند کر سکتی ہے۔ نظام الدین دہلی کی تبلیغی تحریک کی ایسی وسیع و عام پسند

اور کثیر التعداد مخلصین کی کمیاب بلکہ نایاب دولت سے مالا مال کوئی تحریک شاید ہی کوئی صدی پیش کر سکے۔ جماعت اسلامی سے کوئی شخص ہزار اختلاف کرے مگر یہ ماننا پڑے گا کہ متکلمانہ انداز پر اس نے بھی اسلام کی اچھی خاصی خدمت انجام دی ہے اور دے رہی ہے۔ ممالک اسلامیہ میں اخوان المسلمین کی عظیم الشان تحریک بھی اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس صدی کی امتیازی شان میں اچھا خاصہ اضافہ کرتی ہے، اس کے بانی نے علمِ کلام اور تصوف کی جیسی اچھی اور متناسب آمیزش کی تھی وہ شاید ہی کہیں مل سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک نے دل اور دماغ دونوں محاذوں پر فسق کا مقابلہ کیا۔

ان تحریکوں اور جماعتوں کے علاوہ بھی دنیائے اسلام میں بہت سی دینی تحریکیں اور جماعتیں پیدا ہوئیں بعض باقی ہیں بعض ختم ہوگئیں، لیکن ان کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا کتمانِ حق بھی ہے اور ایک قسم کی ناشکری بھی، جماعتوں سے قطع نظر اس صدی کے سرمایۂ افتخار اور علم وتقوی کے خزینہ دار ایسے علماء اور مشائخ رہے جن میں سے ہر فرد اپنی جگہ پر ایک امت اور ایک جماعت تھا، بہت سی اچھی خاصی بڑی اور مشہور و مقبول جماعتوں نے دین متین کی اس قدر خدمت نہیں انجام دی ہے جس قدر ان میں سے بعض حضرات نے تنہا انجام دی، اور آج بھی بعض علماء اور صلحاء ایسے موجود ہیں جو تنہا ایک بڑی جماعت کی قائم مقامی کر رہے ہیں۔ جہاں تک دینی لٹریچر کا تعلق ہے اس دور میں اشاعت دین کے سلسلہ میں جیسی بلند پایہ تصنیفات ومضامین شائع ہوئے ہیں اس کی نظیر بہت کم ملے گی، قدامت پسندی کی تو بات ہی دوسری ہے مگر سچی بات تو یہی ہے کہ اس صدی کی بعض تالیفات کے مقابلہ میں ماضی کی چار صدیوں کے اندر کوئی چیز نہیں مل سکتی، بلکہ ممکن ہے کہ سلسلہ اس سے بھی کچھ آگے پہنچ جائے۔

یہاں جماعتوں اور تحریکوں وغیرہ کا استقصاء مطلوب نہیں ہے بلکہ اجمالی طور پر اس محاذ کا ایک نقشہ سامنے لانا ہے، جہاں تقویٰ فسق سے دست وگریباں ہے، نقشہ نامکمل رہے گا اگر مخالف کیمپ پر بھی ایک اجمالی نظر نہ ڈالی جائے۔

تقوی اور اطاعت الٰہی جس طرح مختلف طریقوں سے فسق وفجور کی کوشش کو مٹانے میں مصروف ہے اسی طرح فسق وفجور بھی مختلف طریقوں اور متعدد ذرائع سے اسے ختم کر دینے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ آج کی دنیا میں جتنے وسائل وذرائع کسی چیز کی اشاعت کے ہو سکتے ہیں ان سب کا استعمال شریعت کے باغی کر رہے ہیں اور اس بغاوت کو مقبول بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، مزید برآں کفر بھی فسق

کی پشت پناہی کررہا ہے اور اپنی پوری قوت اس کی اشاعت وترویج کے لئے صرف کررہا ہے گویا کہ کفر کا مقصد ہی اشاعت فجور ہے اور زمانہ آیۂ کریمہ "بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ" (بلکہ انسان فسق و فجور میں مبتلا رہنا چاہتا ہے) کی عملی تفسیر پیش کررہا ہے۔

یہ اس میدان جنگ کا اجمالی نقشہ ہے جس کی وسعت تقریباً پورے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے اور نہ صرف سطح ارض کو بلکہ ہمارے دل ودماغ کو بھی اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ آیئے اسی نقشہ پر ایک گہری نظر ڈال کر معلوم کریں کہ فریقین میں سے کس کا پلہ بھاری ہے، کسے فتح ہورہی ہے اور کسے شکست؟

صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے ان دیواروں کو گرادینا ضروری ہے جو ہمارے اور حقیقت حال کے درمیان حائل ہوجاتی ہیں۔ پہلی چیز "فریبِ ماحول" کے مختصر عنوان سے ظاہر کی جاسکتی ہے، جو دین دار حضرات دین دار ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسے خوش نصیب بکثرت ہیں، (خصوصاً علماء ومشائخ) وہ امت کی صحیح حالت کا اندازہ بہ مشکل کرسکتے ہیں، موجود پر غائب کو قیاس کرنا انسان کا فطری طریق استدلال ہے، ایسے حضرات عموماً غیر شعوی طریقے سے اس راہ پر گامزن ہوجاتے ہیں اور (اپنے مخصوص) ماحول کی رونق کو دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ "امتِ بیمار" کا حال اچھا ہے۔ ممکن ہے کہ بہت سے لوگ میری اس تشخیص کا انکار کردیں لیکن میں ان سے پوچھوں گا کہ اگر آپ کو واقعی امت کی حالت کا صحیح اندازہ ہے تو آپ اپنی روش اور کدوکاوش پر مطمئن کیوں ہیں؟ کیا کسی دشمن کے مقابلے کے لئے ایک بندھے ٹکے طریقہ پر عمل کرنا کافی ہوتا ہے خصوصاً جب دشمن نت نئی تدبیروں سے مقابلہ کررہا ہو؟ ہوسکتا ہے کہ آپ کی تدبیر بالکل صحیح ہو لیکن اس کی صحت کے متعلق اس قدر یقین کہ اس پر نظر ثانی کی ضرورت کبھی نہ محسوس ہو اس بات کی کھلی ہوئی علامت ہے کہ آپ غیر شعوری طور پر اپنے ماحول سے متاثر ہیں اور ایک خاص حلقہ میں کامیابی یا ایک خاص طرز کی کامیابی کو آپ نے فسق کی پسپائی سمجھ لیا ہے۔

اس دھوکے میں وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ مبتلا ہیں جو کسی خاص تحریک یا کسی خاص طرز سے خدمت دین سے وابستہ ہیں، حد یہ ہے کہ بعض حضرات تو اپنے طرز کار کو اس قدر یقینی سمجھتے ہیں کہ گویا کہ وہ کوئی منصوص شئ ہے جس میں ترمیم وتنسیخ نہ صرف بے ضرورت بلکہ ایک درجہ میں ناجائز ہے۔

عسکری تربیت کا ایک بہت بڑا جزو جماعتی کام (ٹیم ورک) کی تربیت ہوتی ہے، اس فوج کی شکست وناکامی یقینی ہے جس کا ہر سپاہی اپنے رفقاء سے بے خبر اور بے پرواہ ہوکر صرف اپنی مدافعت کی فکر

میں رہے۔ یہ ایک مثال ہے جس سے انفرادیت پسندی کی مضرت عیاں ہے، جس شخص کا نظریہ ہو کہ مجھے صرف اپنی طرف نظر کرنے کی حاجت ہے، خواہ ساری امت فسق و فجور کے چنگل میں پھنس جائے۔ اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ امت کی صحیح حالت کا اندازہ کر سکے گا بالکل نادانی ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ اقوام و ملل کے عہد زوال میں ان میں یہ چیز پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے جسم کے جوڑ جوڑ کو الگ کر دیتی ہے، خیر تو ان پردوں کو ہٹا کر زیادہ نہیں صرف ایک صدی کا جائزہ لے لیجئے کہ اس عرصہ کی پیہم کشمکش میں آپ نے کیا پایا اور کیا کھویا؟

اتنی بات کہنے میں مجھے کوئی باک نہیں ہے کہ دین دار طبقے کی اکثریت نہیں تو کم از کم ایک کثیر تعداد مندرجہ بالا دونوں غلطیاں یعنی ''فریب ماحول'' اور ''انفرادیت'' میں سے کسی میں مبتلا ہے، تاہم ایسے حضرات بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جو ان سے محفوظ ہیں، ایسے لوگ اس تلخ و ناگوار حقیقت کا احساس بہت آسانی سے کر سکتے ہیں کہ فسق و تقویٰ کی اس کشمکش میں ہر محاذ پر فسق کو فتح اور تقوے کو مسلسل شکست ہو رہی ہے۔

سب سے پہلی چیز کو لے لیجئے جو کسی قوم کی عملی زندگی کی بنیاد ہوتی ہے، میری مراد دینی شعور ہے، ہر منصف مزاج، صاحب بصیرت اس کا اعتراف کرے گا کہ امت مسلمہ میں بحیثیت مجموعی یہ جو ہر روز بروز کم ہوتا جاتا ہے، جس کا اثر یہ ہے کہ باوجود پیہم اور قوی تحریک کے امت میں حرکت نہیں پیدا ہوتی اور عالم میں اپنے صحیح مقام کو حاصل کرنے کی اُمنگ دلوں کو نہیں گدگداتی، بلکہ ہر شعبۂ زندگی سے دین کا اخراج ان کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور عقل معاد تیزی کے ساتھ انحطاط پذیر ہے اور فہم دین روز بروز اس قدر گھٹ جاتی ہے کہ معمولی عام فہم دینی مسائل میں اچھے خاصے پڑھے لکھے اس طرح الجھتے ہیں کہ شاید اب سے صدی دو صدی پیشتر جہلاء بھی نہ الجھتے ہوں۔

دینی شعور کے اس انحطاط کا سب سے بڑا اثر اسلامی تہذیب و ثقافت پر پڑا ہے، اگرچہ صحیح معنی میں اسلامی تہذیب تو بحیثیت مجموعی امت سے اب سے بہت پہلے رخصت ہو چکی تھی، مگر مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے نام سے ایک چیز موجود تھی جو بحیثیت مجموعی غیر اسلامی ہونے کے باوجود اپنے اندر کچھ کیا اچھے خاصے اسلامی عناصر و اجزاء رکھتی تھی، یہ بے چاری مغربی تہذیب کے سیلاب عظیم کا کیا مقابلہ کرتی اس کے غیر اسلامی اجزاء، رسمی اور فرسودہ ہونے کی وجہ سے بہہ گئے اور اپنے ساتھ اسلامی اجزاء کو بھی بہا لے گئے۔ افسوس جس چیز نے سیلِ تاتار کا رخ بدل دیا تھا اس سیلِ مغرب کے سامنے بالکل نہ ٹھہر سکی۔ غیر اسلامی

ممالک تو جانے دیجئے، اسلامی ممالک کا حال دیکھئے، مغربیت کس طرح ان کے دل دماغ پر مسلط ہے اور اچھے اچھے دین دار اور عالی دماغ اس مغربی کابوس کا شکار ہیں، جو ابھی تک اس دجالی جنت سے باہر ہیں وہ اپنی آبلہ پائی کے شاکی اور رسائی کے متمنی ہیں۔ مستثنیات سے انکار نہیں، مگر و قلیل ماھم۔

مسلم معاشرے کے ان پھوڑوں کو چھیڑنا بہت تکلیف دہ ہے مگر کیا کیا جائے اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ ثقافت کا دائرہ معاشرت کو بھی گھیرے ہوئے ہے اس لئے اس پر علٰیحدہ گفتگو کی حاجت نہیں ہے، مگر اخلاق بنیاد ثقافت ہونے اور ایک مستقل حیثیت رکھنے کی وجہ سے مستقل نظر کے مستحق ہیں۔ نظر، یہ ناگوار منظر پیش کرتی ہے کہ اخلاق کے اسلامی تصورات ہی تقریباً مفقود ہو چکے ہیں، مثلاً جاہ پسندی، شہرت پسندی کو معائب کی فہرست سے خارج کر کے محاسن یا کم از کم مباحات کے رجسٹر میں جگہ دی گئی ہے، خودداری کے حدود وسیع کر کے تکبر تک پہنچا دئے گئے ہیں۔ میں نے بعض اچھے خاصے اہل علم کو دیکھا ہے کہ تکبر و خودداری اور تواضع و تذلل کے حدود سے بالکل ناواقف ہیں۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے اخلاق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، للٰہیت، اخلاص، صدق و مروت، ایثار، اس قسم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے والے تو اب آسانی سے گنے جا سکتے ہیں۔

انفرادی حیثیت کو چھوڑ کر اب اجتماعیات کی طرف آیئے۔ سیاسی اقتدار گویا فساق و فجار کا حصہ بن چکا ہے، یہاں مستثنیات کی تلاش میں آپ کو بہت زحمت اٹھانی پڑے گی اور بہت کد و کاوش کے بعد جو مستثنیات ملیں گے وہ ناقابل اعتنا ہوں گے، یقین نہ ہو تو اسلامی دنیا کا جائزہ لے لیجئے، معاشی زندگی کی تنظیم اور اس کی قیادت بھی اسی طبقہ کے ہاتھ میں پہنچ چکی ہے اور دین دار طبقہ وہاں سے بھی نکالا جا چکا ہے، جب وہ آپ کو حرام کھلانا چاہتے ہیں تو پیٹ بھر کر کھلا دیتے ہیں اور آپ اس میں ایک لقمہ کی بھی کمی نہیں کر سکتے، جسم ہی نہیں بلکہ آپ کے ذہن و دماغ کی غذا بھی عموماً فاسقوں ہی کے اختیار میں ہے، تھوڑے سے عربی مدارس کو مستثنیٰ کر کے پورے نظام تعلیم پر اسی قسم کے اشخاص چھائے ہوئے ہیں اور سیرت سازی کے ان کارخانوں میں دین دار انجینئر شاذ و نادر ہی ملیں گے اور جو ملیں گے وہ بھی بے اثر ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ ہماری اجتماعی زندگی کلیۃً فساق و فجار کے قبضہ میں پہنچ چکی ہے، اس کے مستثنیات کی حیثیت طوفانی سمندر میں چھوٹے جزیروں کی ہے، انھیں دیکھ کر مطمئن ہو جانا بلاشبہ نادانی ہے، اگر طوفان کی رفتار و شدت یہی رہی تو کچھ عرصہ کے بعد ان جزائر کی غرقابی بھی یقینی نظر آتی ہے۔ اجتماعی قیادتوں میں صرف ایک قیادت ابھی تک دین دار

طبقے کے ہاتھ میں ہے یعنی دینی قیادت، مگر وہ دینی قیادت جو صرف مسلمانوں کی انفرادی زندگی تک محدود ہو، اس کے لئے آپ اجتماع کی دعوت دے سکتے ہیں اور ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں، مگر اب ''کوتہ آستینوں'' کی ''دراز دستیاں'' اس کی پگڑی بھی دین دار طبقہ کے سر سے اتار لینا چاہتی ہیں۔ ''برقی فتنہ'' ''پرویزی بدعت'' ''وحدت ادیان'' کی تحریک اور اس قسم کی دوسری گمراہ کن تحریکیں اس رجحان کا پتہ دیتی ہیں جو طبقۂ فساق میں پیدا ہو رہا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسجد کے گوشہ یا خانقاہ و مدرسہ کے حجرہ میں بھی دین کی موجودگی گوارہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اس شجرۂ طیبہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتے ہیں۔

حالات کی اس تصویر میں طوالت کا اعتراف تو کر سکتا ہوں مگر رنگ آمیزی اور مبالغہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں نے قلم سے کیمرہ کا کام لیا ہے نہ کہ موقلم کا۔ کشمکش کے صحیح نقشے کی عکاسی کر دی ہے، اس میں رنگ نہیں بھرا ہے، مگر سچ تو یہ ہے کہ مجھے خوف ہے کہ کوئی صاحب بصیرت میرے اوپر کمی کرنے کا الزام نہ لگائے اور اگر یہ الزام مجھ پر لگا یا جائے گا تو غالباً اس کے اعتراف پر مجبور ہوں گا۔

ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ ہم فسق کا مقابلہ اور تقوے کے فروغ کے لئے اب تک جو تدابیر کرتے رہے ہیں ان پر نظر ثانی کریں؟ ہوسکتا ہے کہ اس مغلوبیت کا سبب فسق کی طاقت اور اس کے ذرائع کی فراوانی ہو، لیکن کیا اس کا احتمال بھی نہیں نکلتا کہ اس سبب کے ساتھ خود ہمارے اندر بھی بعض کمزوریاں ہوں یا ہماری کسی تدبیر میں کوئی غلطی ہو جو اس شکست نصیبی میں حصہ دار ہو؟؟ میں ہرگز نہیں کہتا کہ اشاعت تقوی کی جو مختلف کوششیں ہو رہی ہیں وہ یقیناً غلط ہیں یا ہر ایک میں یقیناً کوئی نہ کوئی غلطی ہے، حاشا وکلا۔ نہ مجھے اپنی بصیرت کے متعلق ایسی خوش فہمی ہے، نہ دین کے خدام کے متعلق اس قسم کی غلط فہمی، میں تو صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی معصوم نہیں ہے اور خدمت دین کے جتنے طریقے مختلف افراد اور جماعتوں نے اختیار کئے ہیں ان میں سے کوئی منصوص نہیں ہے، ان کا درجہ تدبیر سے آگے نہیں بڑھتا، حالات کی تبدیلی بسا اوقات ایک مفید طریقہ کو کچھ عرصہ کے بعد قدامت کا لباس پہنا دیتی ہے اور اس کی افادیت میں کمی پیدا کر دیتی ہے، بعض اوقات اس کی افادیت کو بالکل ختم کر دیتی ہے، اس لئے جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے اس پر مناسب وقفوں کے ساتھ دوبارہ غور وفکر کرنا لازم ہے۔ میری عرض داشت صرف تجدیدِ فکر کی دعوت ہے، نہ کہ تجدید طریق کی۔ اجتماعی نفسیات میں غور کرنے سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ جماعت جب کسی سوچے سمجھے طریق پر عرصۂ دراز تک عمل پیرا رہتی ہے تو اس

میں فکر کا عنصر کم ہو جاتا ہے اور رسم و عادت کا عنصر بڑھ جاتا ہے، افراد بھی اس قانون سے متأثر ہوتے ہیں مگر جماعتوں میں اس کا اثر زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم کی تغیر پذیری کی پیاس محض رسم سے نہیں بجھائی جا سکتی، خصوصاً ایسے دین کے فروغ کے لئے محض رسمی طرز عمل کیسے کافی ہو سکتا ہے جو قیامت تک پورے عالم انسانیت کی رہنمائی کرنے کے لئے آیا ہے؟ اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد تجدید فکر کی احتیاج اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ اس دعوت تجدید فکر کا مجھے حق ہے یا نہیں؟ دین دار طبقے سے حسن ظن کی بنیاد پر مجھے یقین ہے کہ وہ یہ حق تسلیم کرے گا، اس کے بعد اتمامِ سخن کی درخواست بے جا نہ ہوگی، اور بات پوری کیسے ہو سکتی ہے جب تک میں دین دار طبقے کی ان کمزوریوں کی طرف اشارہ نہ کروں جو اس دعوت کی محرک اور موضوع فکر بننے کی طالب ہیں مگر اس سے پہلے چند باتیں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) خطاب عام دین دار طبقے سے ہے یعنی ہر اس شخص سے جو دین کو دنیا پر ترجیح دیتا ہو اور اس کے فروغ و غلبہ کا خواہش مند ہو، خواہ عالم ہو یا عامی، مخصوص طور پر علماء یا مشائخ ہی مخاطب نہیں ہیں۔

(۲) کسی فرد یا جماعت پر طعن و تعریض ہرگز مقصود نہیں، جن افراد یا جماعتوں کو اپنے اندر ان کمزوریوں میں سے کوئی کمزوری محسوس ہو وہ اس کا ازالہ کریں، اگر محسوس نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کریں، اظہار براءت بالکل غیر ضروری چیز ہے۔

(۳) جن غلطیوں کا میں تذکرہ کروں گا ان کی کلیت کا مدعی نہیں ہوں، مقصد عام حالات کا اظہار ہے، مستثنیات کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔

اجتماعیت کا فقدان

اسبابِ ناکامی میں سرفہرست جس چیز کا نام آنا چاہئے وہ قوم میں اجتماعیت کا فقدان ہے، دو صالح اور دین دار افراد اپنے اپنے مقام پر بہت اچھے خادم ملت ثابت ہوتے ہیں مگر جب ان دونوں کی اجتماعی قوت سے فائدہ اٹھانے کا قصد کیا جائے تو بجائے مفید ہونے کے مضرت رساں بن جاتے ہیں، جماعتوں کے تفرقے روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اس کے علاوہ سب سے زیادہ مضر چیز یہ ہے کہ مختلف جماعتوں اور افراد میں باہم تعاون بالکل مفقود ہے۔

ذہین افراد میں اختلافِ خیالات ایک ناگزیر شئ ہے، لیکن ہر اختلاف کا انشقاق و تفرقہ تک پہنچ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حدود شناسی کا جوہر امت میں نہیں باقی رہا ہے، پوری امت ایک جسم کی طرح ہے

کسی جسم کے ہر عضو کا الگ الگ ہو کر باہمی تعاون سے دست بردار ہو جانا اس کی ہلاکت کے مترادف ہے یا نہیں؟ حالت یہ ہے کہ جو فرد یا گروہ جس طرز پر دینی خدمات انجام دے رہا ہے صرف اسی کو حق سمجھتا ہے اور اپنے علاوہ دوسرے خادمانِ دین کو، جن کا طرز اس سے مختلف ہے، غلط راستے پر سمجھتا ہے، اور نہ صرف سمجھتا ہے کہ بلکہ اس کی تبلیغ بھی کرتا ہے، جس طرح جسم انسانی میں مختلف اعضاء مختلف کام انجام دیتے ہیں اور ان میں سے ہر کام اپنی جگہ پر ضروری ہوتا ہے اسی طرح امت مسلمہ کے جسم کو مختلف اعضاء اور مختلف خدمات کی حاجت ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کی بھی شدید حاجت ہے کہ اس کثرت میں روحِ تعاون سرایت کر کے وحدت پیدا کر دے، یہی وحدت اسے کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے، اسی چیز کا نام اجتماعیت ہے، لیکن یہ روح تعاون و اجتماعیت امت میں کہاں ہے؟ نہ ہم اختلاف کے حدود سمجھتے ہیں، نہ باوجود اختلافات مشترک مقاصد کے لئے باہم تعاون کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں، ایسی صورت میں فسق کے متحدہ حملے کا مقابلہ ہماری کامیابی پر کیسے ختم ہو سکتا ہے؟

فرد و جماعت کے ارتباط سے غفلت

اچھا اجتماع اچھے ہی افراد سے وجود میں آ سکتا ہے اور اچھے افراد اچھے ہی اجتماع میں پیدا ہو سکتے ہیں، فرد و جماعت کا یہ باہمی ربط اکثر و بیشتر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، بعض حضرات کا نظریہ ہے کہ اجتماع اصل ہے، اس کی اصلاح اچھے افراد کو وجود میں لائے گی اور بحیثیت مجموعی امت میں تقوی غالب آ جائے گا، ان لوگوں نے فرد بحیثیت فرد کی اہمیت کو قولاً نہیں تو عملاً نظر انداز کر دیا ہے اور ساری توجہات کا محور جماعت کو بنا دیا ہے، انفرادی اصلاح کے معنی سے نہ یہ حضرات واقف ہیں نہ اس کے ماہرین سے مشورہ لیتے ہیں۔ اس شدید غلطی کا اثر یہ ہے کہ افراد کی انفرادی کمزوریاں اجتماعی تقوی کے محاذ کو بھی کمزور کر دیتی ہیں، اکثر تو یہ جمع تفریق پر ختم ہوتی ہے اور اگر جماعت قائم بھی رہے تو ضعف کی وجہ سے عموماً شکست نصیب ہوتی ہے، فتح ہوئی بھی تو وہ فیصلہ کن نہیں ہوتی اور اس سے شکست کی تلافی کا ہونا بہت دشوار ہوتا ہے۔

ایک ماہر جنرل کی طرح شیطان ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں پوری مستعدی و بیدار مغزی کا ثبوت دیتا ہے، اس اجتماعی مقابلہ میں وہ کمزور افراد پر حملہ کرتا ہے اور آہستہ آہستہ انھیں شکست دیتا ہے، اس طرح ایک پانچواں کالم وجود میں آ جاتا ہے جو غیر شعوری طور پر فسق کی فتح اور تقوی کی شکست کے لئے کوشاں ہو جاتا ہے، ماضی اور حال دونوں میں دین داروں کی ایسی جماعتیں کثیر تعداد میں مل سکتی ہیں جو

اشاعتِ تقویٰ کے لئے وجود میں آئیں اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے ارکان و اجزاء خود ان ہی عیوب میں مبتلا ہو گئے۔

اس گروہ کی غلطی یہ ہے کہ اس نے حقیقت کے صرف ایک جز کو لے لیا، اسی طرح اس کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ ہے، اس نے بھی حقیقت کے ایک جز کو چھوڑ دیا یعنی وہ اس کا تو قائل ہے کہ اچھے افراد سے اچھا اجتماع وجود میں آتا ہے، مگر خود اجتماع کی خوبی و برائی کو فرد کی اچھائی و برائی میں جو دخل ہے اس سے غفلت برتی، ان حضرات کی توجہات اور کوششوں کا محور صرف انفرادی زندگی ہے، اجتماعی مسائل و حالات بالکل ان کے موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

یہ نظریہ غلط بھی ہے اور مضرت رساں بھی، افراد کے شخصی مزاج کے علاوہ اجتماع کا ایک مخصوص مزاج بھی ہوتا ہے اور اس کا صالح یا فاسد ہونا افراد پر بہت قوی اثر ڈالتا ہے، اس کی قوت کا مقابلہ بسا اوقات بڑے بڑے اتقیاء نہیں کر سکتے، بلکہ مقابلہ کرنے میں خود اپنے تقوے کا سرمایہ کھو بیٹھتے ہیں، ایک دو نہیں سیکڑوں مثالیں اس قسم کی پیش کی جاسکتی ہیں کہ متقی افراد جب اجتماعیات کے سنگلاخ میدان میں گامزن ہوئے تو رہوارِ ورع و تقوی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہی دیکھ لیجئے کہ آج اچھے خاصے اتقیاء کو یکجا کر کے کسی اجتماع کو ترتیب دینے کی کوششیں اکثر و بیشتر ناکامی پر ختم ہوتی ہیں، ہر فرد اپنی جگہ پر بہت صالح مگر اجتماع میں آتے ہی ان میں سے سب میں یا بعض میں ایسی چیزیں ابھر آتی ہیں جو اجتماع کا مزاج فاسد کر دیتی ہیں، انجام تفرقہ ہوتا ہے یا اجتماعی تقوی کے فقدان کے ساتھ خود افراد کے صحیح مزاج کا فساد، وجہ یہی ہے کہ ان افراد کی اجتماعی زندگی بالکل غیر تربیت یافتہ ہوتی ہے، اجتماع کی اہمیت کو یہ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، ہر موقع پر انفرادی نقطۂ نظر سے کام لیتے ہیں اور روح تعاون سے خالی ہوتے ہیں۔

انفرادیت پسند گروہ میں ایک جماعت اُن انتہا پسندوں کی ہے جن کے نزدیک اجتماعیت شجرہ ممنوعہ ہے، دین و شریعت صرف انسان کی انفرادی زندگی کے لئے ہے۔ اور سیاسی، معاشی وغیرہ زندگی کے اجتماعی شعبے دین سے خارج اور دنیا میں داخل ہیں، غیر اسلامی ممالک کو چھوڑیئے خود اسلامی ممالک کے متعلق بھی ان حضرات کا نظریہ ہے کہ خواہ زمام حکومت فاسقوں فاجروں بلکہ بددینوں اور گمراہوں مثلاً شیعوں، قادیانیوں وغیرہ میں سے کسی کے ہاتھ آجائے مگر دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ اپنا حجرہ اور معمولی کام نہ چھوڑا جائے اور اصلاح حال کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔ ان بددینوں کو صدارت یا وزارت کی کرسی سے

اتارکران کی جگہ دین داروں کو بیٹھانے کی کوشش کرنا دین کے حدود سے تجاوز اور پکی دنیاداری ہے، مسلمانوں کے معاشی مسائل کا کوئی حل تلاش کرنے کی کوشش توکّل کے خلاف اور حرام ،فاسقوں اور فاجروں کے زیر اہتمام چلنے والے کالج اور اسکول مسلم نوجوانوں کی روحانی قتل گاہ، لیکن دین داروں کا خود انہیں قائم کرنا یا ان میں دخیل ہو کر اصلاح کی کوشش کرنا دین داری کے خلاف، ورنہ کم از کم فضول اور اضاعت وقت، خلاصہ یہ کہ اجتماعیات وہ شجر ممنوعہ ہے جس کے قریب جانا بھی دینی ہبوط وزوال کا موجب ہے، اسلام صرف انفرادی زندگی تک محدود ہے، اجتماعیت کے متعلق وہ بالکل ساکت ہے، زندگی کے اس اہم اور عظیم حصہ پر اگر شیطان کا تسلط ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہ اس نظریہ کا خلاصہ ہے جو صریح اسلامی تعلیمات کے خلاف ہمارے دین دار طبقہ کے ایک بہت بڑے حصے نے اختراع کرلیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اجتماعی محاذ پر تقوے کی شکست کامل میں جس قدر اس نظریہ کو دخل ہے اتنا کسی دوسری چیز کو نہیں ہے، اگر امت میں اور کوئی کمزوری نہ بھی ہوئی تو یہ نظریہ ہی اسے تباہ کن شکست دلانے کے لئے کافی ہے۔

یہ طبقہ آج بھی اچھا خاصا اثر رکھتا ہے، اسلامی ممالک میں اگر یہ طبقہ اپنے حجروں میں بیٹھا بیٹھا بھی اجتماعیات کے محاذ پر فسق کو شکست دینے کی کوشش کرے تو ان شاء اللہ قلیل ہی عرصہ میں ان ممالک کی کایا پلٹ جائے۔

موجودہ دور میں جب کہ مختلف اسباب نے اجتماعیت کو اس قدر غالب کر دیا ہے کہ گوشۂ تنہائی کی جستجو حمام بادگرد کی جستجو سے کم نہیں ہے، صرف ''خلوت در انجمن'' کا طریقہ راہ صواب ہے، اجتماعیات کو نظر انداز کرنا ایک لفظ بے معنی ہے، جب آپ ان سے ترک تعلق کرتے ہیں تو اس وقت بھی آپ ان میں حصہ لیتے ہیں لیکن اس قسم کا سلبی حصہ لینا بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوتا ہے، مثلاً ممکن ہے کہ تنہا ایک شخص کے ووٹ نہ دینے کی وجہ سے ایک دین دار ناکام اور ایک فاسق یا بددین کامیاب ہو جائے، کیا ایسی صورت میں یہ دین دار اس ذمہ داری سے بری ہوسکتا ہے؟

خلاصہ یہ کہ صحیح راستہ یہ ہے کہ فرد و اجتماع دونوں کی طرف ساتھ ساتھ توجہ کی جائے اور دونوں محاذوں پر ایک ساتھ فسق کا مقابلہ کیا جائے، یہ نظریہ کہ فرد کی اصلاح سے فراغت ہو تو اجتماع کی اصلاح کی طرف توجہ کی جائے، یا اجتماع کی اصلاح ہو جائے تو افراد کو صالح بنانے کی کوشش کی جائے، نظری اعتبار سے

خواہ کتنا ہی مدلل کیوں نہ ہو، عملی اعتبار سے بالکل ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ دشمن کے داخلے کے لئے قلعہ میں ایک رخنہ بھی غیر محفوظ چھوڑ دینا شکست کا پیش خیمہ ہے، نہ کہ ایک پوری دیوار کو منہدم ہوتے دیکھنا اور اس کی حفاظت سے غفلت برتنا۔

ان دونوں محاذوں پر جنگ کرنے میں سب سے بڑی مشکل میرے نزدیک یہ ہے کہ قوم میں ایسی جامع شخصیتوں کا تقریباً فقدان ہے جو دونوں کام انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، لیکن بحمد اللہ ایسے اشخاص بکثرت موجود ہیں جو انفرادی زندگی میں تقوے کو رچا دینے کی خوب صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ایسے اشخاص بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جو اس صلاحیت سے محروم ہیں لیکن اجتماعی اصلاح کا کام خوب انجام دے سکتے ہیں، اگر دونوں میں تعاون کا تعلق ہو جائے تو مسئلہ سہولت سے حل ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اجتماعیت کے فقدان نے اس تعاون کو خواب و خیال بنا دیا ہے، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو واقعات کی روشنی میں اس حقیقت کو دکھاتا کہ امت کے زمانۂ عروج میں یہ تعاون کس قدر زیادہ اور کیسی عمدہ شکل میں پایا جاتا تھا۔

اجتماعی تقوی کا فقدان

یہ واقعہ بالکل روشن ہے کہ دین داری کی سب سے بڑی شکست اجتماعیت میں ہوئی ہے، فہرستِ اسباب میں ایک شئ کا اور اضافہ کیجئے یعنی خود دین داروں میں اجتماعی تقوے کا فقدان، استثناء کا چھوٹا سا حاشیہ نکال دینے کے بعد یہ کہنا کچھ مشکل نہیں کہ ہم اپنی انفرادی زندگی میں دین داری و تقوے کے باوجود جب اجتماعیت میں داخل ہوتے ہیں تو ''جامۂ تقوی'' اتار کر الگ رکھ دیتے ہیں، عارف شیرازی کو تو ان واعظوں سے شکایت تھی جو ''محراب و منبر'' پر جلوہ'' کرتے ہیں مگر ''خلوت'' میں پہنچ کر'' کار دیگر'' میں مصروف ہو جاتے ہیں، مگر میری شکایت اس کے برعکس ہے، زمانے کے انقلاب نے بکثرت اشخاص کے جلوے کو خلوت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور جب وہ میدان اجتماعیت میں آتے ہیں تو وہ دنیا داروں کی طرح'' کار دیگر'' میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان کو صرف واعظوں سے شکوہ ہے اور مجھے عام دین داروں سے، جن میں وہ بھی داخل ہیں، یقین نہ ہو تو ان اجتماعی اداروں کو دیکھ لیجئے جو دین دار افراد کے ہاتھ میں ہیں، مدارس، مکاتب، اسکول، کالج، انجمنیں ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ دین دار اور تہجد گذار حضرات بھی انہیں اصول کار پر عمل پیرا ہیں جو پکے دنیا داروں اور فساق و فجار کے رہنما ہیں۔ یہ حقیقت بہت تلخ ہے جس

کا حلق سے اتارنا بہت دشوار ہے لیکن جو شخص بھی عقیدت اور محبت کے جذبات ایک طرف رکھ کر اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز صحابہ کرام کے اجتماعی طرز عمل کو نمونہ بنا کر اس قسم کے اداروں کے حالات غور اور تعمق سے دیکھے گا اسے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

اصلاح اجتماعیات میں ناکامی کی بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ ہماری دین داری محض انفرادی ہے، اجتماعی زندگی میں تقوے سے ہم اسی طرح محروم ہیں جس طرح ہمارے حریف، ہماری نصیحت کا ان پر اثر ہو تو کیسے ہو؟ اس کمزوری کا ایک اثر یہ ہوا کہ عوام الناس دین دار طبقے کو اہم اور وسیع تر اجتماعی معاملات میں قیادت ورہنمائی کا اہل نہیں سمجھتے، خصوصا سیاسی قیادت اور دین داری میں تو بالکل منافات سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ فاسق سیاسی قائدین سے نالاں ہونے کے باوجود اتقیاء کے مقابلہ میں ان کی رہنمائی کو ترجیح دیتے ہیں، بلکہ بہت سے کم فہم تو سیاست نام ہی جھوٹ وفریب، دھوکہ بازی اور ابن الوقتی کا رکھتے ہیں اور اس کا اہل ان ہی لوگوں کو سمجھتے ہیں جن میں یہ اوصاف زیادہ پائے جاتے ہیں۔

(جاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان
جائزہ۔مشورے۔گذارشیں

(دوسری وآخری قسط)

پس چہ باید کرد - چند عملی مشورے

عیسائی مشنریز کے ذریعہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں ارتداد کی جو کاشت کی جارہی ہے اگر اسے روکنا ہے اور مسلمانوں کے ایمان کو بچانا ہے تو ہمیں حالات کا گہرائی سے جائزہ لے کر کچھ سنجیدہ اقدامات اور فیصلے کرنے ہوں گے۔

۱ ۔نصاب ونظام تعلیم کی اصلاح

سب سے پہلے ہمیں اپنے نصاب ونظام تعلیم کو اس طرح مرتب کرنا ہوگا کہ ہمارا ہر بچہ اور بچی دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہو، ایمان ان کے دل میں رچ بس گیا ہو اور ضروریات دین کا اسے پورا علم ہو، اگر بچپن ہی میں بچوں کے دلوں میں ایمان کی محبت اور قدر وقیمت بٹھا نہیں دی گئی تو زندگی کے ہر مرحلہ میں ان کا دین وایمان خطرے میں رہے گا، اور مخالف ہوائیں ان کے ایمان کے شجر کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکیں گیں۔

اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کی شان وخصوصیت اور دین وایمان سے ان کی گہری

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر معہد الشریعہ لکھنؤ

وابستگی کو اس آیت میں واضح فرمایا ہے۔ واعلموا أن فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الأمر لعنتم ولکن اللہ حبب إلیکم الإیمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ إلیکم الکفر والفسوق والعصیان، أولئك ھم الراشدون۔ (سورہ حجرات: ۷) اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔ اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی۔ اور وہی لوگ نیک راہ پر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔

اللھم حبب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان واجعلنا من الراشدین، اللھم توفنا مسلمین واحینا مسلمین، والحقنا بالصلحین، غیر خزایا ولا مفتونین۔

اے اللہ ایمان کو ہمارے نزدیک محبوب بنا دیجئے اور اسے ہمارے دلوں میں آراستہ فرما دیجئے، اور کفر، گناہ، نافرمانی کی نفرت ہمارے دل میں ڈال دیجئے، اور ہمیں صحیح راہ پر چلنے والا بنا دیجئے، اے اللہ مسلمان ہونے کی حالت میں ہمیں وفات دیجئے اور اسلام پر ہمیں زندہ رکھئے، اور ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ شامل فرمائیے۔ اس حال میں کہ نہ رسوا ہوں نہ فتنوں میں پڑیں۔ (الادب المفرد للبخاری باب دعوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جزء ۱ ص ۲۴۳)

نونہالوں کے دل و دماغ میں ایمان کی آبیاری

بچوں کو محض کلمہ طیبہ رٹا دینا کافی نہیں بلکہ ان کے دل میں ایمان بسا دینا ضروری ہے، انکی تعلیم و تربیت اس طرح کی جائے کہ ایمان کو وہ اپنا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھیں اور کسی حال میں اس سے دستبردار ہونے کا تصور بھی ان کے حاشیۂ خیال میں نہ آئے اور کفر و شرک سے انہیں گھن آنے کی حد تک نفرت ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب إلیہ مما سواھما، أن یحب المرء لا یحبہ الا للہ وأن یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ أن یقذف فی النار (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان)

تین چیزیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالیگا، اللہ اور اس کے رسول اسے ان دونوں کے علاوہ سے زیادہ محبوب ہوں، انسان سے اللہ ہی کے لئے محبت کرے، کفر میں واپس جانا اسے اسی طرح ناپسند ہو جس طرح آگ میں پھینک دیا جانا ناپسند ہو۔

نونہالوں کے دل ودماغ میں جب ایمان راسخ کر دیا جائے گا تو کفر والحاد کی آندھیاں بھی ان کے شجر ایمان کو نہیں اکھاڑ سکتیں، وہ ہر آزمائش اور تکلیف کو برداشت کرلیں گے، لیکن ایمان سے محرومی کو برداشت نہیں کرسکیں گے، بچپن ہی میں صحابہ کرام کے قبول اسلام کے واقعات، ایمان کے لئے ان کی قربانیوں کے واقعات سنائے جائیں اسی طرح انبیاء کرام نے کلمۂ توحید کو پھیلانے کے لئے جو آزمائشیں اور سختیاں جھیلیں، ان کے ایمان پرور واقعات بھی ذہن نشین کرائے جائیں

موجودہ صورت حال کا جائزہ

موجودہ ماحول تو یہ ہے کہ مسلم بچے، بچیوں اور نوجوانوں کی بڑی اکثریت دینی وایمانی تعلیم وتربیت سے محروم ہے، مسلمانوں میں ناخواندگی کا تناسب دوسری قوموں سے کہیں زیادہ ہے، ہماری قوم کے بہت سے بچے اور بچیاں نہ مکتب ومدرسہ کا منہ دیکھتے ہیں نہ اسکول وکالج کا رخ کرتے ہیں، اور نہ ہی ان کے گھروں میں کوئی دینی اور تعلیمی ماحول ہوتا ہے، اس لئے وہ دین ودنیا دونوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں ایسے لوگ کسی بھی مشن، تحریک، دعوت کا شکار ہوسکتے ہیں، اور ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارے جو بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہورہے ہیں ان میں سے نوے فیصد سے زیادہ ایسے اسکولوں کالجوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں جن میں دین اسلام سکھانے کا بندوبست تو کیا ہوتا، وہاں تو اسلام مخالف عقائد وافکار کی تعلیم دی جاتی ہے، دیو مالائی اور وثنی عقیدے پڑھائے جاتے ہیں، اور اگر عیسائی مشنری اسکول ہیں تو ان میں عیسائی عقائد سکھائے جاتے ہیں، یسوع مسیح کو انسانوں کا نجات دہندہ بتایا جاتا ہے، تاریخ اور سماجی علوم کے نام پر کفر والحاد کا زہر پلایا جاتا ہے۔ اسی طرح کی تعلیم کے نتیجہ میں سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے محروم اور بدنصیب پیدا ہوتے ہیں جو ملت اسلامیہ کی رسوائی کا سامان بنتے ہیں۔

۲۔ مفلوک الحال اور فقر زدہ مسلمانوں کی کفالت

مسلمانوں کو اگر الحاد وارتداد کے سیلاب سے بچانا ہے، تو انہیں فقر وافلاس کے دلدلوں سے نکالنا ہوگا اور ان کی اقتصادی بدحالی کا مداوا کرنا ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور دعاؤں میں بار بار فقر سے پناہ مانگی گئی ہے، حضرت عائشہ سے منقول ایک روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بہت سی چیزوں کے ساتھ فقر کے فتنہ سے بھی پناہ مانگی ہے۔ واعوذبک من فتنة الفقر واعوذبک من فتنة المسيح الدجال (صحيح بخاری باب التعوذ من المأثم) (اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فقر کے فتنہ سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے)

اللهم انی اعوذبک من فتنة النار وعذاب النار وفتنة القبر وعذاب القبر ومن شر فتنة الغنی ومن شر فتنة الفقر (صحيح مسلم باب التعوذ من شر الفتن جز ۸ ص ۷۵) اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں جہنم کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب سے اور قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور غناء کے فتنہ کے شر سے اور فقر کے فتنہ کے شر سے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے "كاد الفقر ان يكون كفرا" قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے (شعب الایمان للبیہقی باب ۴۳ جزء ۵ ۲۶۷) کنز العمال، الفصل الاول فی فصل الفقر جزء ۶ ص ۴۹۲)

اس حدیث کے بعض رواۃ پر کلام کیا گیا لیکن معنی کے اعتبار سے حدیث درست ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ فقر واحتیاج انسان کو کفر تک لے جاتا ہے، بعض اوقات انسان فقر وفاقہ کی مار سے بچنے کے لئے کفر کی گود میں چلا جاتا ہے، مولانا روم نے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔

آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج

وہ چیز جو شیروں کو لومڑی مزاج بنا دیتی ہے، وہ محتاجی ہے، محتاجی ہے،

اسی لئے اسلام حلال روزی کمانے ،اس کے لئے جدوجہد کرنے کی ترغیب دیتا ہے، آمدنی کے حلال ذرائع تجارت، زراعت، صنعت وحرفت، ملازمت، محنت ومزدوری وغیرہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، کام چوری اور معطل پڑے رہنے نیز گداگری کو منع کرتا ہے۔ حکومت کو مامور کرتا ہے کہ زمینوں کی آبادکاری اور قدرتی معدنیات اور وسائل کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے پر توجہ دے تاکہ لوگوں کے اسباب رزق میں فراوانی پیدا ہو۔

امت اسلامیہ کے جو افراد فقر وفاقہ کے شکار ہوں یا کسب معاش سے معذور مجبور ہوں ان کی ذمہ

داری امت کے اغنیاء، مسلم حکومت یا جماعت مسلمین پر رکھی گئی ہے کہ زکوۃ وصدقات، اوقاف اور ہدایا وغیرہ کے ذریعہ ان کی کفالت کریں، انہیں فقر وفاقہ کے دلدلوں میں دھنستا ہوا نہ چھوڑیں کہ دوسری قومیں اور تحریکیں ان کے ایمان کا سودا کرنے لگیں اور ان کی فلاکت زدگی اور معاشی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر انہیں ارتداد کی راہ پر ڈالدیں۔

مسلم معاشرہ میں اسلام کے اقتصادی احکام جاری نہ ہونے اور اسلام کا تقسیم دولت کا نظام نافذ نہ ہونے کی بنا پر ہمارے سماج میں بڑی معاشی ناہمواری پائی جاتی ہے، دولت مند دولتوں کا انبار جمع کر لے رہے ہیں، ان کے لئے بڑا مسئلہ ہے کہ دولت کہاں لگائیں اور کہاں چھپائیں اور غریبوں کی غربت میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے، ان کے وسائل معاش چھنتے جا رہے ہیں، ان کے لئے اپنی بنیادی ضروریات کا پورا کرنا ناممکن ہو رہا ہے۔

اگر مسلمانوں کے فقر زدہ طبقہ کو فقر وفاقہ کے دلدلوں میں چھوڑ دیا گیا، ان کی معاشی مدد نہ کی گئی، انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لائق نہ بنایا گیا تو ہمارے ان غریب بھائیوں کے دین وایمان کا سودا ہوتا رہے گا، اور ہر سال ہزاروں مسلمان کفر وارتداد کے جال میں پھنستے رہیں گے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان غریب مسلمانوں کے بارے میں تمام مسلمانوں خصوصاً اصحاب ثروت مسلمانوں سے باز پرس ہوگی،

خلاصہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں مشنریز کے ذریعہ انجام پانے والے ارتداد کے واقعات کا سدباب اسی وقت ممکن ہے جب کہ خود مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے غریب، مفلوک الحال اور مصیبت زدہ بھائیوں کی پوری کفالت کریں، ان کی ضروریات پوری کریں اور انہیں دوسروں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ دیں۔

۳۔ فریضہ دعوت کی ادائیگی

امت مسلمہ صاحب دعوت امت ہے، اس کی اہم ترین ذمہ داری توحید کی امانت سارے انسانوں تک پہنچانا، خیر وصلاح کی طرف بلانا، بھلائیوں کا حکم دینا، برائیوں سے روکنا، اللہ کے راستے کی طرف انسانیت کی رہنمائی کرنا اور شیطان کے راستے سے باز رکھنا ہے۔

نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی سنہری کڑی مکمل ہوچکی، اب کوئی نیا نبی

مبعوث ہونے والا نہیں، صحیح عقائد و اعمال کی طرف انسانوں کی رہنمائی کا کام قیامت تک کیلئے نبی آخر الزمان کی امت کے ذمہ کردیا گیا ہے، اس ذمہ داری کو ادا کرکے ہی یہ امت دنیا اور آخرت میں کامیاب اور سرخرو ہوگی اور اس کو ادا کرنے میں کوتاہی کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل و خوار ہوگی، موجودہ دور میں مسلمانوں کی ذلت و نکبت کی ایک بڑی وجہ اسی ذمہ داری کو ادا کرنے میں زبردست غفلت اور کوتاہی ہے۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: **کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله۔** (آل عمران آیت ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو اچھی بات کا حکم کرتے ہو اور بری بات سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(۲) **ولتكن منكم امة يدعون الى الخير يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون** (آل عمران ۱۰۴) اور تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خیر کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے، برائی سے روکے، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

(۳) **ومن احسن قولا ممن دعا الى الله وعمل صالحا وقال انني من المسلمين۔** (حم سجدہ ۳۳) اور اس شخص سے اچھی بات کس کی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

(۴) **ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هى احسن، ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين۔** (النحل ۱۲۵) اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بہترین طریقہ پر جدال کرو بیشک آپ کا رب ان لوگوں کو زیادہ جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ہدایت یاب لوگوں کو بھی زیادہ جاننے والا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت ''**ولتكن منكم امة** الخ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں: دعوت الی الخیر کے دو درجے ہیں، پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا، مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے، زبان سے اور عمل

سے بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر آج امت مسلمہ اپنا مقصد دیگر اقوام کو خیر کی طرف دعوت دینا بنا لیں تو وہ سب بیماریاں ختم ہوجائیں گی جو دوسری قوموں کی نقالی سے ہمارے اندر پھیلی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی قوم اس عظیم مقصد (دعوت الی الخیر) پر مجتمع ہوجائے اور یہ سمجھ لے کہ ہمیں علمی اور عملی حیثیت سے اقوام عالم پر غالب آنا ہے اور اقوام کی تربیت اور تہذیب ہمارے ذمہ ہے تو اس کی نااتفاقیاں بھی یکسر ختم ہوجائیں گی اور پوری قوم ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے لگ جائے گی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کامیابیوں کا راز اسی میں مضمر تھا'' (معارف القرآن جلد ۲ ص ۱۴۰۔۱۴۱)

دور حاضر میں مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلموں میں دعوت الی الخیر کا کام بہت ناکافی طور پر ہورہا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا امت مسلمہ اس کو اپنا فریضہ اور اہم ترین دینی ذمہ داری نہیں سمجھ رہی ہے۔ بسا اوقات پورے پورے ملک اور علاقے اس کام سے خالی نظر آتے ہیں۔

دعوتی ذمہ داریوں کی ادائیگی

اس بنیادی کام سے مجرمانہ غفلت کی وجہ سے خود مسلمان غلط دعوتوں کے شکار ہورہے ہیں اور امت مسلمہ کے ہزاروں لاکھوں افراد کفر وارتداد کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔ جو قوم داعیانہ مقام کھو دیتی ہے وہ دوسروں کی دعوتوں کا شکار ہونے لگتی ہے، اور اس کے لئے اپنے عقائد اور اقدار وروایات پر قائم رہنا ناممکن ہوتا ہے۔

مسلمان اگر موجودہ حالات کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو زیادہ بڑے پیمانے پر اور زیادہ منصوبہ بند اور منظم انداز میں انجام دینا ہوگا۔ اپنے مالی اور افرادی وسائل کا معتد بہ حصہ اس کام میں لگانا ہوگا۔ داعیوں کی زبردست ٹیم تیار کرنی پڑے گی جو مختلف ممالک اور اقوام میں ان کی سطح اور معیار پر دعوت الی اللہ کو پورے اخلاص اور دلجمعی کے ساتھ انجام دیں۔ غیر مسلموں میں دعوت الی اللہ کی جو ٹوٹی پھوٹی کوششیں مختلف ممالک میں ہورہی ہیں ان کے بڑے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آرہے ہیں۔ اگر یہ کام زیادہ منظم انداز سے اور زیادہ تسلسل کے ساتھ کیا جائے تو حالات میں انقلاب انگیز تبدیلیاں ہوسکتی ہیں اور دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

۴۔ خلق خدا کی خدمت اور نفع رسانی

اسلام دین رحمت ہے، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمۃ للعالمین'' (سارے

جہانوں کے لئے رحمت) ہیں اور مخلوق کی خدمت اور نفع رسانی، بہترین عبادت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الراحمون یرحمهم الرحمان، ارحموا اهل الارض یرحمکم من فی السماء (سنن ابی داود باب فی الرحمة جزء ۴ ص ۴۴۰) رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

نیز ارشاد ہے **الخلق عیال الله، واحب العباد الی الله انفعهم لعیاله (شعب الایمان للبیهقی باب فصل فی نصیحة الولاة ووعظهم)** مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، بندوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اللہ کے کنبہ کے لئے سب زیادہ نفع بخش ہو۔

الله فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیه۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (مسلم شریف باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر جزء ۸ ص ۷۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی ور آپ کو پریشانی ہوئی، اور ایک طرح کا خوف محسوس ہوا، جس کا تذکرہ آپ نے حضرت خدیجہ سے کیا تو اس موقع پر آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کی جن صفات کا ذکر کیا ان میں مخلوق کے کام آنے اور انہیں نفع پہنچانے کا پہلو غالب ہے۔

کلا والله لایخزیک الله ابدا، انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی الرسول صلی الله علیه وسلم جزء ۱ ص ۴) ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی سوانہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بار اٹھاتے ہیں، ناداروں کے لئے کماتے ہیں، مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

حیرت وافسوس کی بات ہے کہ جس مذہب کی تعلیمات میں مخلوق کی نفع رسانی، مظلوموں کی مدد اور آفت زدہ افراد کی نصرت واعانت کو انتہائی اہم مقام دیا گیا ہو اس مذہب کے ماننے والے خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں میں اس قدر پیچھے ہوں، صلیب احمر (ریڈ کراس) ہر زلزلہ، سیلاب، سونامی، قحط سالی،

اور تمام آفات ارضی وسماوی کے موقع پر سرگرم عمل ہو اور ہلال احمر بالکل غائب ہو۔

اگر مسلمانوں کو اس دنیا میں باعزت اور باوقار رہ کر اپنی داعیانہ ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں، دنیا کی قیادت کرنی ہے، تو انہیں منصوبہ بندی اور تنظیم کے ساتھ خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں کو انجام دینا ہوگا۔ اور ان کاموں میں دوسری قوموں سے آگے رہنا ہوگا، اپنے افرادی اور مالی وسائل کو بڑے پیمانے پر خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں کے لئے وقف کرنا ہوگا۔

قبول اسلام کی خبریں اور گرجا کے مسجد میں تبدیل ہونے کے واقعات

بعض دفعہ ہماری صحافت یورپ وامریکہ میں قبول اسلام کے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہے، اور قبول اسلام کے ایسے اعداد وشمار پیش کرتی ہے جس پر یقین کرنا مشکل ہے، اسی ذیل میں یہ بات بھی بار بار لکھی اور کہی جاتی ہے کہ یورپ وامریکہ میں عیسائیت کے سمٹنے اور اسلام کے پھیلنے کی ایک واضح علامت یہ ہے کہ بہت سے قدیم گرجا مسلمانوں کے ہاتھ فروخت ہوکر مساجد اور مدارس میں تبدیل ہو چکے ہیں اور مغربی ممالک میں مساجد کی تعداد کافی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی ممالک میں بہت سی سعید روحیں دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہیں، خصوصاً کالی نسل کے لوگوں میں اسلام قبول کرنے کا رجحان کچھ زیادہ ہی ہے، اور ان ممالک میں اسلام مخالف پروپیگنڈہ بعض لوگوں کو حقیقت سے واقف ہونے کے لئے اسلام کے مطالعہ کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ایسے لوگ جب کسی حد تک غیر جانبدار ہوکر قرآن مجید، سیرت نبوی اور اسلامی تاریخ وقانون کا مطالعہ کرتے ہیں، تو دین فطرت انہیں اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور ان میں سے بعض لوگ ہدایت ربانی سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دعوت اسلام کی جو ٹوٹی پھوٹی کوششیں اللہ کے کچھ بندے کر رہے ہیں ان کے بڑے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آرہے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مغربی ممالک میں اشاعت اسلام اور قبول اسلام کی رفتار بہت تیز ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب میں کوئی بڑا فرق آنے والا ہے، مغربی میڈیا میں مغربی ممالک میں قبول اسلام کی جو خبریں اور اس سے متعلق جو اعداد وشمار آتے رہتے ہیں ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بسا اوقات اس طرح کی خبریں اور اعداد وشمار مسلمانوں کو مطمئن کرنے اور انہیں سلانے کے لئے دئے جاتے ہیں تا کہ مسلمان عافیت کی نیند سو جائیں اور خوش رہیں کہ اسلام مغرب میں از خود پھیل رہا ہے، ہمیں زیادہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

گرجاؤں کی فروختگی

جہاں تک گرجاؤں کے فروخت ہونے اور انکے مساجد و مدارس میں تبدیل ہونے کی بات ہے اس سے زیادہ خوش ہونا اور بڑے بڑے نتائج نکالنا صحیح نہیں ہے، گرجاؤں کے فروخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان ممالک میں عیسائیوں کی تعداد کم ہو رہی ہے یا ان کے دینی جوش وجذبہ کا گراف بہت گر رہا ہے، صحیح صورت حال یہ ہے کہ مغربی ممالک میں گرجاؤں اور کلیساؤں کی بھر مار ہے، بہت تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بڑے بڑے گرجا اور ان کے اوقاف ہیں جو عیسائی آبادی کی دینی ضروریات سے بہت زائد ہیں اور ان کے مذہب میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ کلیساؤں اور ان کے اوقاف فروخت نہیں ہو سکتے ہیں، اس لئے کلیساؤں کا نظم وانتظام دیکھنے والی کمیٹیاں کبھی کبھی ایسے کلیساؤں کو جو بڑی حد تک غیر آباد ہیں یا ضرورت سے زاید ہیں اچھے داموں پر فروخت کر دیتی ہیں اور اس سے حاصل ہونے والے سرمایہ کو اپنے ہی ملک میں یا دوسرے ممالک میں کلیسا کی تعمیر میں یا مشنری مقاصد کے لئے تعلیمی ادارہ یا اسپتال وغیرہ کے قیام میں صرف کر دیتی ہیں۔ ایسے زیر فروخت کلیسا کو کبھی مسلمان خرید کر وہاں مسجد یا اسلامک سنٹر قائم کر دیتے ہیں، کلیسا کی فروختگی کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ عیسائیت گھٹ رہی ہے، اور اسلام بڑھ رہا ہے۔

مغربی ممالک میں مسلمانوں کا کردار

یہ خوش آئند بات اور اچھی علامت ہے کہ مغربی ممالک میں مساجد اور جماعت خاتون کی تعداد بڑھ رہی ہے اور مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں میں مساجد کو آباد کرنے اور دینی اعمال کو انجام دینے کا رجحان روز افزوں ہے، لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ عموماً مغرب میں آباد مسلمان اپنی روزمرہ کی زندگی میں جس اخلاق وکردار کا مظاہرہ کرتے ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور تعلقات میں جو رویہ اپناتے ہیں ان کا اسلامی تعلیمات سے زیادہ جوڑ نہیں۔

سنگ وخشت میں سرمایہ کی بربادی

اور یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ دوسرے ملکوں کی طرح مغربی ممالک میں بھی مسلمانوں کے قیمتی سرمایہ کا بڑا حصہ بلاضرورت ''سنگ وخشت'' کے نذر ہو رہا ہے، اللہ نے جس فرد یا ادارے کو بھی مالی وسائل دئے ہیں اس کے وسائل کا بڑا حصہ ''مسجد غرناطہ'' اور ''قلعہ الحمراء'' کی تعمیر وتزئین میں صرف ہو رہا ہے،

اوران ممالک میں مسلمانوں اوراسلام کی جو واقعی ضرورتیں ہیں ان سے لوگ غافل ہیں، مساجد اور مدارس کی عمارتوں میں سادگی اور مضبوطی کے بجائے تزئین وآرائش کا پہلو غالب ہے، مساجد ومدارس کی عالیشان اور پرشکوہ عمارتیں مقامی عیسائی آبادی کے نوجوانوں میں حسد اور نفرت کے جذبات بھڑکا رہی ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں مساجد اوراسلامی مراکز کے بارے میں بعض یورپین ممالک کا منفی رویہ (مثلاً مسجد کے میناروں پر پابندی وغیرہ) اسی حسد اور نفرت کا مظہر ہے۔

مغربی ممالک کے مسلمانوں کی ذمہ داری

کیا اچھا ہوتا کہ مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمان بہتر منصوبہ بندی سے کام لیتے۔ ان ممالک کی دوسری قوموں کی عبادت گاہوں اور تعلیم گاہوں کی طرح اپنی مساجد اور مدارس کی عمارتیں سادہ اور بہ قدر ضرورت رکھتے اوراپنے سرمایہ کو زیادہ اہم اور بنیادی کاموں میں صرف کرتے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج جہاں سے مختلف میدانوں کے لاکھوں قابل ترین افراد تیار ہوئے ان کی عمارتیں سادگی اور پرکاری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ مغربی ممالک کی دوسری قوموں (عیسائی اور یہود) نے ہمیشہ اپنا سرمایہ تعمیرات سے زیادہ رجال کار کی تیاری اورافراد سازی پر خرچ کیا ہے۔

مغربیت کی خالص مادی فضاؤں میں سنگ تراشی کے بجائے روحانیت کی روح پھونکنے کی ضرورت ہے اور ایسے رجال کار کی فوج تیار کرنے کی ضرورت ہے جو مادی ترقیات کی چمک دمک سے مرعوب اور متاثر ہوئے بغیر نبوت محمدی کے پیغام کو اہل مغرب کے قلب وجگر میں اتار دیں اور مادیت سے اکتائے ہوئے اہل مغرب کو اسلام کی ایمانی اور روحانی فضا میں سانس لینے کی دعوت دیں۔

☆☆☆